بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

ادبی سلسلہ نمبر 6

ماہنامہ

القلم

اردو جہانیاں

شمارہ جنوری2024ء

شمارہ جنوری 2024ء

رابطے کا ذریعہ:

tanhalyallpuri@gmail.com

0305-8545555

فہرست

فہرست

فہرست

اداریہ

ثنا اکرم ملہی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ!

اللہ لاالہ الا ھو الحیی القیوم۔ اللھم صلِ علیٰ محمد وعلیٰ آلہ محمد وبارک وسلم تسلیما۔

الوداع دسمبر کے ساتھ ساتھ 2023 کو بھی خیر آباد کہہ کر ہم نئے سال میں داخل ہو چکے، رب سے دعا ہے یہ سال محض ہندسہ بدلا ہوا سال نہ ہو بلکہ ہم اپنی وہ ساری کمیاں جو پہلے پوری نہ کر سکے ہر لحاظ سے مکمل کریں اور کتب اللہ کے سائے میں اپنی زندگیاں گزاریں۔

نیا سال ایک بھر پور سال ہے جس میں سیاسی ہلچل اپنے زور پر ہے تو عوام پر جبر و ظلم بھی اپنے منہ آپ بول رہا ہے۔ معاشی دباؤ ہے تو معاشرتی رویوں کے تعفن میں سانس لینا دوبر ہو چکا ہے۔ ایسے میں اگر ہم اپنی انفرادی اصلاح کرنے نکلیں تو ہمیں سب سے پہلے جھوٹ کا ساتھ چھوڑنا ہوگا، جھوٹ بولنا چھوڑیں اپنے ساتھ اور اپنوں کے ساتھ۔ جھوٹ بولنا محض اسلام میں مانع نہیں بلکہ دنیا کے دوسرے بھی تمام مزاہب فرد کو جھوٹ میں ملوث پا کر اس کی کڑی سزا دیتے ہیں۔ اس سے نہ صرف معاشرے کی تمام دوسری برائیاں جنم لیتی بلکہ ذہنی و جسمانی، روحانی و عقلی سکون بھی تباہی ہوتا ہے۔ ہر کوئ اگر خود سے عہد کر لے کہ میں نے جھوٹ نہیں بولنا تو معاشرے کی ہر برائی قابو کر لی جاے گی۔ جھوٹ ہی ہمارے رزق کو حلال سے حرام میں بدل رہا ہم جھوٹ کے سہارے پر اپنے رب کے قطعی احکام کو جھٹلا دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم نا مراد ہو چکے ہیں۔ رحمٰن ہم سب کو جھوٹ سے بچنے کی توفیق دے اور سچوں کا ساتھ نصیب ہو۔

سردی کے لطیف موسم میں شدت آ چکی ہے، آگ سے دوری جان پہ کھیل جانے کے مصداق ہے ایسے میں غرباء و فقراء کا خاص خیال رکھیں۔ اپنے فلسطینی بھائیوں، کشمیری مظلوموں اور ہر مسلمان مرد مجاہد کے لیے دعا گو رہیں۔

آپ کے اپنے ماہنامہ میں نئے نئے لکھاری نت نئے انداز سے، اچھوتے الفاظ کا پیراہن لیے نئی تحاریر لکھتے ہیں، جو کہ شاعری و نثر حقائق و افکار ادب و زبان کے قواعد سے بھر پور ہیں، ان کو پڑھ کر اپنی رائے دینا ہر گز نہ بھولیں اور ہمیں ضرور بتائیں کہ آپ کو کس لکھاری نے زیادہ متاثر کیا، اور کون سا لکھاری آپ کا پسندیدہ لکھاری بن رہا ہے، ہمیں اپنے قارئین کے ستائشی الفاظ کا انتظار ہے۔ لکھیے، پڑھیے، اور سلامتی کو پائیے۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

حمد
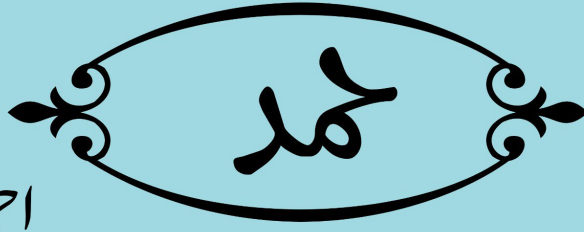
احمد وصی

اے خدا ہے تو ہی مالکِ دو جہاں
تیری قدرت کے جلوے ہیں ہر سو عیاں

جگمگائیں ترے نور کی بھیک سے
چاند، تارے، کرن، چاندنی، کہکشاں

پھول، شبنم، چمن، رنگ، خوشبو، دھنک
سب کے سب ہیں تیری عظمتوں کے نشاں

پیڑ پودے تیری حکمرانی میں ہیں
تیرے ہی حکم سے ہیں سمندر رواں

تیرا کلمہ ہواؤں کے ہونٹوں پہ ہے
گونجتی ہے فضاؤں میں تیری اذاں

ہر بلندی ترے سامنے پست ہے
تیرے آگے جھکائے ہے سر آسماں

ہاتھ اٹھا کر یہی مانگتے ہیں دعا
کر دے ہر دل کو تو پیار کا گلستاں

نعت

پیر نصیر الدین نصیرؔ

کونین میں یوں جلوہ نما کوئی نہیں ہے
اللہ کے بعد ان سے بڑا کوئی نہیں ہے

کام آئی سر حشر محمد کی شفاعت
سب کہتے ہیں جا تیری خطا کوئی نہیں ہے

ہر چند نبی عیسیٰؑ و موسیٰؑ بھی ہیں لیکن
محبوبِ خدا ان کے سوا کوئی نہیں

اللہ نے سو حسن دیے نوعِ بشر کو
یوں نور کے سانچے میں ڈھلا کوئی نہیں ہے

دل ان کا ہے اس دل میں وہی جلوہ فگن ہیں
اب ان کے علاوہ بخدا کوئی نہیں ہے

امت میں ہوں ان کی کہ جو ہیں رحمتِ عالم
کیوں حشر کا ڈر ہو، مرا کیا کوئی نہیں ہے

پڑھتے رہو دن رات نصیرؔ ان کا وظیفہ
ایسا عملِ ردِ بلا کوئی نہیں ہے

سر زمین عشق (فلسطین)

حمنہ ساجد

آیئے آج آپ سب کو سر زمینِ عشق کی سیر کرواتی ہوں۔ اک سر زمین جسے پر کئی سالوں پہلے مسلمانوں نے فتح یابی حاصل کی۔ جہاں مسلمانوں کا پہلا حرم موجود ہے۔خُدا کے خاص بندوں کی سر زمین جہاں پیغمبر بھیجے گئے، یہاں تک کہ آج بھی وہاں عام لوگ نہیں بلکہ اُس مقدس سر زمین پر عاشق اتارے جاتے ہیں۔ "آپ کہہ دیجئے کہ کل حمد اور کل شکر اللہؐ کے لیے ہے اور سلام ہے اس کے ان بندوں پر جن کو اس نے چن لیا ہے کیا اللہؐ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ شریک بناتے ہیں" (القرآن - النمل # 59) ایسا لگتا ہے کہ ہم سب محظ نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ نجانے کیوں پر اُس سر زمین کو دیکھ کر شدت سے کربلا کی یاد آتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے انہوں نے سچے لفظوں میں کربلا سے قربانی دینا سیکھا ہے۔ کیونکہ اب وہیں خاندان قربان کیے جا رہے ہیں اُن لوگوں کو دیکھ کر سوچتی ہوں کہ کیسے دل ہیں ان کے جو بس قربان ہونا یا قربان کرنا جانتے ہیں۔

کسی کو اس کا بچپن نصیب نہیں ہوتا تو کہیں جوان اولاد کو بوڑھے ماں باپ کے سامنے قتل کر دیا جاتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں سب سے مشکل اور بھاری جنازہ جوان اولاد کا ہوتا ہے۔ تبھی تو امام حسین رض نے اپنا سارا گھر قربان کر دیا لیکن جب باری حضرت علی اکبر رضہ کی آئی تو فرمایا: آج میری کمر ٹوٹ گئی۔ نجانے کیسے وہ لوگ ایک دوسرے کو سہارا دے رہے ہیں۔ وہ مسکراہٹ آہ، وہ پر سکون مسکراہٹ، وہ دل، وہ لوگ، واقعی خاص ہیں زندگی میں پہلی بار میں یہ لازوال قربانیاں خود دیکھ رہی ہوں یا اللہ! میری آنکھیں، میرا دل گواہ ہے اس ظلم و زیادتی کا تم سمجھتے ہو کہ گزر گئے وہ لوگ سر اٹھا کر دیکھو، تارے بن کر چمک رہے ہیں وہ لوگ۔ اے معصوم جانوں! مقدس سر زمین کا ذرہ ذرہ گواہی دے گا کہ تم جمے رہے، تم لڑتے رہے، تم ڈٹے رہے، ہاں تم کھڑے رہے۔

کیا ہم آزاد ہیں

نور فاطمہ

اربابِ فکر و دانش جب اس موضوع پر بات کرنے کے لیے میں نے لب کھولنے چاہے تو حق کی بات کرنے پر صدر صدام حسین کی لاش میرے سامنے آئی پھر میں نے سوچا ایسا تو ہر ملک میں ہو سکتا ہے ابھی یہ سوچ ابھری ہی تھی کہ بچوں کے سامنے ماں کو تشدد بنانے والے واقعے نے میرے ضمیر کو جھنجھوڑا اور مجھے یہ بولنے پر مجبور کر دیا ہم کیسے ازاد ہیں؟ ابھی اس خیال نے میرے دل میں جنم لیا ہی تھا کہ فلسطین کے بچوں کی چیخیں میرے کانوں میں پڑیں. جو یہ کہہ رہے تھے: ارے نادان! تو تو نماز پڑھنے کے لیے آزاد ہے ہمیں تو یہ حق بھی نہیں کہ ہم مسجد اقصی میں جا سکیں۔ بہرحال جو میں آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتی ہوں! وہ مسجد اقصی اور فلسطین کے حوالہ سے ہے۔ عزیزان محترم! مسجد اقصی کوئی معمولی جگہ نہیں۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نمازیں پڑھتے رہے

اور حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے مسجد اقصی میں ایک نماز پڑھی اسے پچیس ہزار نمازیں پڑھنے کا ثواب ہے۔ سامعین محتشم! بیت المقدس وہ ایسی مسجد ہے جہاں معراج کی رات حضور اکرم ﷺ نے انبیاء کرامؑ کو نماز پڑھائی۔ مسجد اقصی کو معمولی سمجھنے والے نادان سن! میرے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم تین سفر کرنے لگو تو یہ سمجھ کے کرنا کہ تم عبادت کر رہے ہو۔

1) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کعبۃ اللہ کا سفر کرنے لگو تو اس نیت سے کرنا کہ تم عبادت کر رہے ہو۔

2) اور پھر فرمایا کہ جب تم مسجد نبوی کا سفر کرنے لگو تو یہ اطمینان رکھنا کہ تم عبادت کر رہے ہو۔

3) اور پھر فرمایا جب تم مسجد اقصی کی طرف نکلو تو یہ جان کر نکلنا کہ تم عبادت میں مشغول ہو اور کیا سمجھتے ہیں یہ اسرائیل کے انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

یاد رکھو! اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک رکھی ہے تم جتنا اس کو دباؤ گے اتنا ہی ابھرے گا۔ میرے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: "مسلمان آپس میں ایک جسم کی مانند ہیں"۔
ہاں! جب جسم کا ایک حصہ کٹ جائے تو پورا بدن تکلیف سے کانپ اٹھتا ہے۔ میں حیرت میں ہوں کہ فلسطین کے لوگ اقصی کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں! غزہ کے بچوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جا رہا ہے! ہم کیسے مسلمان ہیں؟
یہ کیسا جسم ہے کہ جس کے اعضا ایک ایک کر کے کاٹے جا رہے ہیں اور ستاون ممالک کے مسلمان خاموش بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں؟ عالی وقار! میرے نبی ﷺ نے جن مسلمانوں کو ایک جسم قرار دیا تھا وہ آج کیوں نہیں بول رہے؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اقصی کی نمازی کی طرف جو آنکھ دیکھتی وہ آنکھ نکالنے پر قادر ہوتا! جو ہاتھ اٹھتا وہ اس ہاتھ کو کاٹنے کی صلاحیت رکھتا مگر یہ تب ممکن تھا جب مسلمان حکمران ساتھ دیتے! آج مسلم ممالک کے تمام حکمران خاموش بیٹھے ہیں! یہ جہاد کرنا! جنگ کرنا۔ یہ مسلمان ممالک کے حکمرانوں کی ذمہ داری ہے۔

تو پھر سوال یہ ہے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ یہودی تو اتنی بدبخت قوم ہے کہ انہوں نے انبیاء کو نہیں چھوڑا! تو کیا یہ مسلمانوں کو بخش دیں گے؟ "نہیں نہیں" ہمیں گھروں میں بیٹھ کے اپنا وقت ضائع نہیں کرنا! ہمیں ہر وقت اپنے مسلمان مظلوم بھائیوں کے لیے دعا کرنا ہوگی! ایک دعا ہی ہمارے پاس ہتھیار ہے! جو ہم فلسطین کے مسلمان بھائیوں کے لیے کر سکتی ہیں! دعا ہے کہ خالق کائنات ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ایک تحریر فلسطین کے نام

بنتِ خان

فلسطین کا نام سن کر آپکے ذہن میں پہلا خیال کیا آتا ہے؟ سوچ کر دیکھیں۔ تو ہر ایک نے مختلف طریقوں سے سوچا ہوگا، مگر ایک بات جو سب کے ذہنوں میں آئی ہو گی وہ ان معصوم لوگوں پر آج کل ڈھائے جانے والے مظالم ہوں گے۔ مجھے نہیں لگتا کہ کوئی انسان ایسا ہوگا جس نے اب تک فلسطین کے ساتھ ہونے والے حالات و واقعات نہ دیکھے ہوں۔ ہر آنکھ اب تک دیکھ چکی ہے۔

یہ ماہ نومبر جو گزرا درد بھرا تھا غموں کا موسم لیے یہ ماہ تو گزر گیا مگر غم کا موسم چھوڑ گیا۔ درد، اذیت، تکلیف اور جانے کیا کچھ، میں بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں مگر جانتی ہوں کہ میں اپنے احساسات کو شائد اس طرح بیان کر ہی نہیں سکتی جس طرح میں محسوس کرتی ہوں۔ دکھ کا اظہار تو بہت چھوٹا لفظ ہے میں نے ایک بستی کو صبر کی وہ مثال قائم کرتے دیکھا ہے کی واللہ، مجھے اپنا بڑے سے بڑا غم بھی اب بہت حقیر لگتا ہے۔ چلو! تمہیں لے کر چلوں ایک ایسی بستی میں جہاں عظیم لوگوں کا بسیرا ہے۔

منظر کچھ یوں ہے کہ ہر طرف خاموشی کا راز ہے۔ نماز ظہر کا وقت ہے۔ مسجد میں نمازی صف در صف کھڑے ہیں۔ امام پر سکون ہو کر نماز پڑھا رہا ہے۔رحمت کا بسیرا ہے ہر طرف۔خاموشی بھی تو عین عبادت ہے ناں۔ اس خاموشی میں ارتکاز پیدا ہوا۔ زمیں میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ یوں جیسے معمولی سا زلزلہ ہو۔ ہر نمازی کی روح لرزی مگر وہ عظیم لوگ کہ نماز وں کی حفاظت کرنے والے اور پھر یکایک ہر طرف شور و غل مچ گیا وہ مسجد کے عظیم لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے اپنے اللہ سے جا ملے۔ ایک کہرام سا مچ گیا۔ بچوں کا شور، عورتوں کی چیخ و پکار ،مردوں کی دہایاں ہر طرف قہر کا سماں تھا۔ سب سے زیادہ آواز وہاں ہونے والی بمباری کی تھی اور یہ صرف ایک بار کا دھماکہ نہیں تھا، ان دھماکوں کا سلسلہ رکا نہیں معصوم جانوں کو نشانہ بنا لیا گیا کسی کی پھول سی بیٹی کھو گئی تھی، ملبے تلے تو کسی کا چاند سا بیٹا پتھروں میں ایسا دھنسا کہ ملا ہی نہیں۔

کسی کی ماں کھو گئی، تو کسی کا باپ بچھڑ گیا، جانے کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنے والدین جو صاحب اولاد تھے اب بے اولاد ٹھہرے، کسی کا جان سے پیارا بھائی اللہ کو پیارا ہو گیا تو کسی کی بہن دنیا فانی سے کوچ کر گئی دوست دوستوں سے جدا ہوئے زندگی کا دھوکا تھا یا قسمت کا کھیل مگر ان عظیم بستی والوں کا مقدر بنا وہ اذیت ناک موت کا طریقہ مگر ٹھہرو ابھی منظر باقی ہے۔ وہ کچھ لوگ جو زخمی ہوئے تھے وہ جو اپنے پیاروں کو ہسپتال میں بحفاظت چھوڑ کر گئے تھے لمحہ بھر کا واقعہ تھا پلک جھپکتے انہوں نے اس ہسپتال کو بھی اپنے ظلم کا نشانہ بنا ڈالا دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہسپتال جہاں ابھی کچھ لوگوں کی موہوم سی امید باقی تھی جہاں زندگی کا دیا ابھی جل رہا تھا وہ بجھ گیا۔ وہ ہسپتال ملبے کا ڈھیر بن گئی۔ جان بچانے والے بھی جان سے گئے۔ وہ باپ جو صبح اپنے بچے کو ہسپتال چھوڑ کر گیا تھا وہ لوٹا تو نہ ہسپتال تھا نہ ڈاکٹر اور نہ ہی اس کا بچہ مگر افسوس کہ یہ سلسلہ رکا ہی نہیں۔ آج بھی اس لمحے بھی معصوم بے گناہ شہید ہو رہے ہیں، وہ پاک سر زمین جہاں ہمارا قبلہ اول ہے اس زمین کو اجاڑا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کا دل جہاں ہے اس دل کو خون ریز کیا جا رہا ہے کیا تمہیں اب بھی خبر نہیں؟

کیا آپ تصور کر سکتے ہیں ایسا کچھ؟ ہے اتنی سکت آپ میں؟ ذرا بھر کو محسوس تو کریں۔ کیسا لگتا ہے اپنی آنکھوں سے اپنے پیاروں کو مرتا دیکھنا؟ کچھ کر نا پانا، انتہا درجے کی مایوسی محسوس کرنا، سوچ سکتے ہیں آپ؟ سوچ کر بھی روح لرز جاتی ہے ناں۔ جھرجھری سی آ جاتی ہے، کہ جن کے ہونے سے زندگی ہے ان کو کھونا تو زندگی کو کھو دینے کے برابر ہے ناں۔ تو پھر کیا آپ لوگ ان کے لیے کچھ محسوس نہیں کرتے؟ کیا ان کے لیے آپکے دلوں میں کوئی احساس نہیں جو دن رات اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے پیاروں کو جاتا دیکھ رہے ہیں؟ میں نے آج قلم اٹھا کر لکھنے کی سکت کی۔ صرف فلسطین کی خاطر اور میں اپنے اللہ سے امید رکھتی ہوں کہ وہ جو موسیٰ کا رب تھا جو یونس کا رب تھا، وہ ہم سب کا بھی رب ہے، وہ اللہ! وہ اللہ! ضرور انصاف دلائے گا۔ ہر مظلوم بچے کو ہر مظلوم ماں کو ہر مظلوم شخص کو اس بستی کے رہنے والے ہر شخص کو اللہ ہے ناں میرا قلم اٹھانے کا مقصد فلسطین کے لیے آواز اٹھانا ہی تھا اور میں جانتی ہوں کہ قلم اتنی طاقت رکھتا ہے۔ اللہ ہر فلسطین کو انصاف دلائے اور ان کو جلد از جلد اس ظلم سے آزادی دلائے اور ان شاء اللہ، وہ دلائے گا کیونکہ وہی دلا سکتا ہے۔

اہلِ فلسطین کے نام

ہادیہ ظہیر

ایک روز نومبر کی دوپہر کھلے آسمان تلے بیٹھی ہاتھ میں ڈائیری اور پنسل لیے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ لکھنے لگی۔ ھم آزاد ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اپنی مرضی سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میرا ایک دوست ہے جس سے میں ہر بات شیر کرتی ھوں۔ ویسے تو وہ سب جانتا ہے مگر، میں اپنا دل ہلکا کرنے کے لیے اپنے دکھ اور احساسات اس سے شیئر کرتی ہوں۔ مجھے بہت سکون ملتا ہے۔اس سے باتیں کر کے اور جانتے ہو وہ کون ہے؟ وہ میرا اللہ ہے۔

میرا بہترین دوست جس نے آج مجھے کچھ لکھنے کی ہمت دی ہے۔ میرے ذہن میں ڈالا ہے کے میں بھی کچھ کر سکتی ہوں۔اپنے احساسات لکھ سکتی ہوں۔ ہاں میں بھی اپنے جذبات اور احساسات بیان کر سکتی ہوں۔ اور یہ ہمت مجھے میرے دوست نے دی ہے الحمدللہ۔ میں جب بھی کوئی بات شیئر کرنے لگتی ہوں تو میں کبھی یہ نہیں سوچا مگر آج میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میرے للہ نے مجھے کسی چیز سے محروم نھیں رکھا۔ لیکن جب میں اپنے بہن بھائیوں کو دیکھتی ھوں تو اپنی ساری خوشیاں اور غم بھول جاتی ہوں۔

جانتے ہو کون سے بہن بھائی؟ ہمارے "فلسطینی" بہن بھائی جو نومبر سے اب تک برداشت کر رہے ہیں۔ اپنے اوپر یہودیوں کے ظلم و ستم۔ پتہ نہیں کتنے ہی ظلم و ستم کے پہاڑ ان پر توڑے جا رہے ہیں۔ مگر وہ ابھی بھی ثابت قدم ہیں انکا ایمان بہت مضبوط ہے اور جانتے ہو؟ صبر و برداشت کسے کہتے ہیں؟ یہ میں نے فلسطینیوں سے سیکھا ہے۔ جو سب کچھ کھو جانے کے بعد بھی اتنے پر سکون ہیں ننھی ننھی معصوم کلیاں ان کا کیا قصور ہے؟ ان سے ان کے والدین چھینے جا رہے ہیں بم چلا کر ان کی بستیاں جلائی جا رہی ہیں قرآن پاک کی بے حرمتی اور مساجد کو بم باری سے ختم کیا جا رہا ہے استغفرُللہ۔ ان کو نماز نہیں پڑھنے دی جا رہی، ان کو گولیوں سے اور بم سے مارا جا رہا ہے مسجد الاقصٰی کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے جو کہ ہمارا قبلہ اول ہے وہاں سے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تھے وہ ہمارے لیے مقدس زمین ہے بہت سے اور بھی بہت سے واقعات ہیں اور جانتے ہو وہ فلسطینی تو شہیدوں کا رتبہ پا چکے ھیں۔

غزہ سے جو روڈ جنت تک جاتی ھے اس پر کتنا رش ہوگا نا وہ اپنے للہ کے قریب ہو رہے ہیں اور اللہ بھی آپنے پسندیدہ بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔ جن سے وہ راضی ہوتا ھے جو بندے اس کو خوشی دیتے ھوں اور فلسطینیوں سے اللہ کتنا راضی ہو گا وہ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں ان سے ان کے پورے کا پورا خاندان چھینا جا رہا ھے۔ ایک باپ سے اس کی بیٹی، ایک خاوند سے اس کی زوجہ، ایک ماں سے اس کا بیٹا چھینا جا رہا ہے ان کو زخمی کیا جا رہا ہے۔ کیا ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں انکے لیے؟ ہمارا ایمان اتنا کمزور ہے ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں؟ ہاں کر سکتے ہیں ہم ان یہودیوں اسرائیلیوں کے پراڈکٹس کا بائیکاٹ کر سکتے ہیں ان کی اشیاء کی خرید و فروخت ترک کر سکتے ہیں۔ فرمایا گیا "جب تم کہیں برائی دیکھو تو اسے اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرو اگر ہاتھ سے نھیں روک سکتے تو منہ سے روکنے کی کوشش کرو۔

دیوارِ دل سے جھانکیں گے تو فلسطین نظر آئے گا

سیدہ علیشبہ تنویر

مسجد اقصیٰ کی وجہ سے دنیا کے تمام مسلمانوں کا فلسطین کے ساتھ دلی تعلق ہے۔ کیونکہ اس مقدس سرزمین کی نسبت انبیاء کرام سے ہے۔ اسی وجہ سے یہ سر زمین دنیا کی مقبول اور قدیم ترین سرزمینوں میں سے ایک ہے۔ اس ملک کو جتنا عروج و زوال کا سامنا کرنا پڑا شاید کسی ملک نے کیا ہو۔ اس سرزمین کو بچانے کیلئے جتنے ادارے اور ملکوں کے لوگوں نے ساتھ دیا حق کی خاطر آواز اٹھائی، دین کی حفاظت کو فروغ دیا، امت مسلمہ اور مقدس مقام کے دفاع کیلئے کی جانے والی منظم کوششوں کا نام جہاد ہے۔ جہاد لفظ جہد سے مشتق نکلا ہوا ہے یہ باب مفاعلہ سے ہے۔ اس کی وسعت تمام زندگی پر چھائی ہے۔ جہاد اپنے اندر وسیع پیمانہ رکھتا ہے جو کہ جینے کا طریقہ بتاتا ہے۔ جیسے کہ خواہش نفس کے خلاف، شیطان کے خلاف، اسلام اور اہل اسلام کا دفاع، دشمن اسلامی ریاستوں پر حملہ آور ہونا، جب کوئی قوم یا کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والا توہین دین یا کسی مقدس مقام کو مٹانے کی کوشش کرے تو اس سے جنگ کرنا ہی اصل زندگی ہے۔

اس کو سر کرنے سے پہلا اور آخری مرحلہ خواہشات نفسی کو ختم کرنا ہے اور اس کا اولین مقصد اسلام اور اہل اسلام کا دفاع ہے اور پھر مقدس مقامات کو بچانے کیلئے جنگ کرنے کی اجازت ہے تب تک جنگ لڑتے رہیں۔ جب تک مقدس مقامات کو مٹانے والے خود نہ مٹ جائیں ان کو نست و نابود کرنا آپ کی زندگی کی دنیا اور آخرت کی کامیابی ہوگی۔ اب اگر کسی کو مسجد اقصیٰ بچانے کو کہاں جائے تو بولتے یہ جنگ تو فلسطین اور اسرائیل کی ہے۔ بلکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ جنگ موجودہ دور کے عیسائیوں، مسلمانوں اور یہودیوں کی ہے۔ ان تینوں فرقوں کا نظریہ مختلف ہے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ صاحب العصر و الزمان امام زمانہ ظہور ہوگا اور حضرت عیسیٰؑ بھی ساتھ ہوں گے اور یہ کئی پیغمبروں کی عبادت گاہ بھی ہے۔ جن میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت عیسیٰؑ بھی شامل تھے اور سن 620 میں انہیں ایک ہی رات میں مکہ سے مسجد اقصیٰ لایا گیا یہاں انھوں نے معراج کا سفر شروع کیا۔

حضور کریم ﷺ نے پہلی بار نماز اور تمام انبیاء نے سجدہ کیا جبکہ عیسائیوں کا کہنا ہے کہ عیسیٰؑ جنہیں وہ خدا کا بیٹا مانتے ہیں ان کا ظہور وہی ہو گا اور پھر عیسائیت دنیا پر راج کرے گی اور یہودیوں کا کہنا ہے شاہ سلیمان نے حویز ارسال قبل پہلی یہودی عبادت گاہ اسی مقام پر تعمیر کی گئی اور یہودیوں کے مطابق اس مقام پر تعمیر ہونے والی دوسری یہودی عبادت گاہ کو رومیوں نے ستر سال پہلے صحیح سمجھ کر تباہ کر دیا۔ مسجد اقصیٰ سیاہی مائل سرمئ حرم قدسی کے جنوبی حصے میں ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ مسلمان اسے الحرم الشریف بھی کہتے ہیں۔ کمپائنڈ میں مسلمانوں کے دو مقدس ترین مقامات شامل ہیں جن میں ڈوم آف دی راک اور مسجد اقصیٰ شامل ہے اسے آٹھویں صدی میں تعمیر کیا گیا۔ اس پورے کمپائنڈ کو مسجد الاقصی کہتے ہیں یہ تقریباً 35 ایکڑ رقبے پر محیط ہے اس کو یہودی ٹیمبل ماؤنٹ کہتے ہیں اور اس میں یہودیوں نے داخلے پر بھی پابندی لگا رکھی ہے کیونکہ اپنے عقیدے کے تحت وہ مانتے ہیں کہ یہ جگہ اتنی مقدس ہے کہ لوگوں کو یہاں داخل ہونے بھی نہ دیا جائے۔ پھر اسرائیلی قوانین کے تحت مسیحی اور یہودی اس مقام کا دورہ بطور سیاح کر سکتے ہیں۔

اس کمپلیکس کی دیوار مغربی کو دہلنگ دیوار گریہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہودی یہاں عبادت کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔اور ڈوم آف دی راک کو بھی یہودی مذہب میں مقدس ترین مقام کا درجہ دیتے ہیں کہ اصل حصہ یہ بچا ہے جو کہ شاہ سلیمان کی تعمیر کردہ عبادت گاہ ہے۔ لیکن مسلمان اسے دیوار البراق کہتے ہیں پیغمبر نے یہاں براق یعنی اپنی سواری کو باندھا تھا۔ یہ اب تھے تمام فرقوں کے روشن میناروں سے بھرے نظریے مگر اب جو لوگ اس کو بچاتے بچاتے جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں دلی عقیدت کے ساتھ جن کی مدد کرنے والے کوئی نہیں اب ہر بار سننے میں آرہا ہے کہ کانفرنس رکھی گئی محفلیں منعقد کی جارہی فلسطین کو بچانے کا یہ تقاضا ہے؟ کفار اور مسلمانوں کی جنگ کے دوران صحابہ نے ایک شخص سے سوال کیا کہ کیا کیا جائے اس جنگ میں کیسے مدد کی جائے؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ دعا کی جائے اس کا ایسا بولنا تھا پھر صحابہ نے اسے قتل کر دیا اور بولا کہ یہ وقت جانوں کے جانے کا ہے اور یہ عبادت کا کہہ رہا ہے تاکہ مزید جانوں کا نقصان ہو اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑے۔ اس شخص کی یہ بات کرنے سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ دشمن اسلام ہے۔

اگر آپ کے گھر میں ایک شخص کی جان لی جا رہی ہو تو کیا آپ فوراً نماز بچا کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں کہ اللہ بچائے گا؟ اللہ نے کیا حکم دیا؟ جو تم سے لڑ رہا ہے اس سے لڑو اور اپنی طرف سے پوری محنت کرو اور مجھ سے مدد مانگتے رہو امام علیؑ کا فرمان ہے، "اختلاف کو دور کرنا تمام نمازوں اور روزوں سے افضل ہے" اداس شامیں طویل راتیں ان گنت دکھوں اور زخموں کو ہر رات ہرا کر دیتی ہے۔ ہر گزرتا لمحہ لاشوں کے انبار لگا کر ایسے گزرتا ہے جیسے قینچی کپڑے کو کاٹ کھاتی اور ساتھ ہی ساتھ یاد دلاتی ہے۔ دکھوں کے مواد سے بنے تاریخی حالات جن کو جب بھی بیان کیا جائے، تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی جس نے روزے میں سر سجدے میں رکھ کر زہر آلودہ ضرب کھائی یاد آتی ہے عباس علم دار ع جیسے کشادہ دل رکھنے والی شخصیت کی جس کی ملکیت تھی نہروں اور دریاؤں پر مگر ان دریاؤں پر پہرا لگا دیا گیا اور پانی پینے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ مگر پھر بھی بہادری کے دامن کو تھاما پیاسوں کی پیاس جو معصوم بچوں کی سوکھی اور نازنین رگوں پر مسلسل العطش العطش کی صداؤں نے ان کے دل کو چکنا چور کر دیا۔

اور ان کی پیاس بجھانے کی خاطر دریائے فرات پر پانی لینے کیلیئے گئے تو جنگ میں دونوں بازو قلم کروا لیئے، یاد آتی ہے بی بی زینبؑ کی جنہیں کربلا سے شام تک چھتیس شہر، بہتر بازار، تین دربار اور دو سو اٹھاون موڑ سے گزرنا پڑا بنت علیؑ ہر موڑ پہ مسلمانوں سے چادر مانگتی رہی مگر کسی نے چادر نہ دی مجھے یاد آتی ہے کالی کملی والے محمد مصطفیٰ ﷺ دونوں جہانوں کے سردار کی جنھوں نے دین اسلام کی خاطر لا تعداد مشکلات جھیلی، اپنوں کی مخالف سہی ان کے راستے پر اپنوں نے کانٹے بچھائے، جسم مبارک کر پتھروں سے زخمی کیا گیا مگر ان تمام عظیم الشان ہستیوں نے کہاں ہمت ہاری؟ یہ ہیستیاں بھی تو کامیاب ہوئی؟ انھوں نے بھی تو اپنا نام بنایا دنیا اور آخرت میں؟ "یزید اکثر ہار جاتا ہے بے مقصد جیت کی خاطر "علیشبہ" مظلوم کا اپنا اصول ہے ہر یزید سے جیت جانے کا" جتنی بھی قربانیاں دی ان تمام کا مقصد کیا تھا؟ دراصل خدا کو راضی کرنا انسانیت کا احساس کرنا کہ بہترین دین ان تک پہنچایا جائے اور یہ روز قیامت کسی کسی کی مشکلات کا سامنا نہ کریں۔ اب اسرائیل ظلم ستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے فلسطینیوں پر اور پوری دنیا فلسطینی عوام کے ہر شخص کو جان سے بے جان ہونے کا سفر خاموشی سے دیکھ رہی ہے۔

اٹھو مسلمانوں اپنے مسلمان بھائیوں کا ساتھ دو ان کی جانیں بچاؤ ان کا سہارا بنو۔ اسلام کی راہ میں تم نکلو تو سہی اللہ پر توکل کرکے اللہ تمہاری حفاظت کرکے گا نہ کہ تم آج فلاں میٹنگ رکھو کل فلاں اور کبھی ریلی نکالو کیا یہ سب مرنے والوں کے خون کا حق ادا ہوگا؟ نہیں تمہاری یہ سب لاپرواایاں تمہارے لیئے روز قیامت برزخ کا ساماں بنیں گی جس کی جتنی وسعت ہے۔ اتنا ساتھ دے جس کی جتنی وسعت ہے اتنا ساتھ دیں فلسطین کا اگر میرے ہاتھ میں قلم ہے تو میرا جو حق بنتا ہے کہ قلم سے جہاد کرو میں نے لہو سے ریزہ ریزہ اپنے الفاظ بیان کیئے جو میرے دل کی گہرائیوں کو ایک سچائی سے چھو رہے ہیں اور شاید پڑھنے والوں پر بھی اثر کریں اور پھر یہ حق بنتا ہے آپ کا کہ آپ بھی جہاد کریں نہ کہ دن میں ریلیاں نکالیں اور رات کو نرم ریشم کے بستر پر سو کر خواب دیکھیں۔ بلکہ خدا کی راہ میں نکلیں اور فلسطینیوں کے درد دل کی دوا بنیں۔

مسجد اقصیٰ کی پکار

افتخار یونس

8 سالہ بچہ اپنے جلے ہوئے مکان کی راکھ کے ڈھیر پر کھڑا رو رہا تھا۔ قریب کھڑے بزرگ نے کرب اور دکھ میں مبتلا بچے کے سر پر دستِ شفقت رکھ کر اسکو تسلی دی کہ بیٹا اپنے دکھ درد کو سہنے کی ہمت اور حوصلہ پیدا کرو مکان اور بن جائے گا اللہ پاک ہم سب کی مدد اور حفاظت کرے گا بچے نے غم ناک آنکھوں سے بزرگ کی طرف دیکھ کر کہا کہ انکل! میں نہ گھر کا ماتم کر رہا ہوں اور نہ ہی اپنے والدین کی جدائی پر آہ زاری کر رہا ہوں۔ ظالم اسرائیلوں کے سر پرستوں نے ان کی حمایت کے لئے ہر طرح کا جدید اسلحہ لڑاکا طیارے اور فوجی دستے بھیج دئے ہیں۔ مگر میرے نبی پاک ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے ڈیڑھ ارب سے زیادہ مسلمانوں کو مسجد اقصیٰ کی سسکیاں، بچوں، جوانوں، بزرگوں، ہماری ماؤں اور بہنوں کی دلخراش چیخیں سنائی نہیں دیتی۔ ہمارے ساتھ یکجہتی اور مدد کرنے کے بجائے امت مسلمہ کے بچوں نوجوانوں اور بزگوں کو چوکوں چوراہوں میں بڑی بڑی ٹی وی سکرینوں پر کرکٹ میچوں سے لطف اندوز اور جہاد سے دور ہوتا دیکھ کر ان کی بے حسی پر رو رہا ہوں۔

بچے کی دانش مندانہ باتیں قریب ہی درخت کے نیچے بیٹھے اسی سالہ بوڑھے شخص کی سمجھ میں آگئی لیکن ڈیڑھ ارب غفلت پرست مسلمانوں کو بچے کی بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی۔ فلسطینی ہزاروں مصیبتوں ہزاروں نا امیدیوں اور ہزاروں پریشانیوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ افق پر تاریک آندھیوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لیکن اس مہیب طوفان میں بھی روشنی کا ایک مینار قائم ہے قوم کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کے ملاح کمسن بچوں اور مجاہدین کے پر عزم الفاظ بجھے ہوئے دلوں میں یقین اور ایمان کی مشعلیں روشن کر رہے ہیں ان کے عزم حوصلے اور ہمت کو کوئی ختم نہیں کر سکتا وہ ان تمام تاریکیوں اور طوفانوں سے اللہ کی مدد اور اسکی نصرت سے سرخ رو ہو کر نکل رہے ہیں۔ پوری دنیا مجاہدین اسلام کی پیشانیوں پر نئی زندگی کی ایک جھلک دیکھ رہی ہے۔ اسرائیل اپنے گماشتوں کی سرپرستی میں غزہ میں معصوم بے یارو مددگار نہتے فلسطینوں پر آسمان سے لڑاکا طیاروں سے آگ برسا رہا ہے

ادھر اللہ کے دین کی سر بلندی اور مسجد اقصی کو یہودیوں سے چھڑانے کے لئے سر فروش بے سرو سامانی کے عالم میں اللہ پر توکل اور بھروسہ کر کے ٹینکوں اور توپوں کے مقابلے میں دشمنوں کی گردنیں اڑانے کے لئے نکل پڑھے ہیں۔ مسجد اقصی مسلمانوں کا قبلہ اول خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے بعد تیسرا مقدس ترین مقام ہے مسجد اقصی حقیقت مسلمانوں کی میراث ہے۔ جو تاریخی اور مذہبی حقائق سے ثابت ہے قرآن میں سفر معراج کا ذکر ہے گویا یہ مسجد حضور پاک کی بعثت سے پہلے موجود تھی۔ یہ مشرقی یروشلم میں واقع ہے جس پر اسرائیل کا ناجائز قبضہ ہے۔ یہ یروشلم کی سب سے بڑی مسجد ہے جس میں پانچ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ 2000ء میں الاقصی انتفاضہ کے آغاز کے بعد سے یہاں غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع ہے۔ قدرت ایک بار پھر واضع کرنا چاہتی ہے کہ مومن جب موت کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا ہے تو زندگی اس کے قدم چومتی ہے الاقصی کی جنگ فلسطینی عوام کی جنگ اب روئے زمین پر موجود ہر مسلمان کی جنگ بنتی جا رہی ہے۔

حماس کے مجاہدوں نے امت مسلمہ کی بقا کی جنگ کی ابتداء کی ہے اور فلسطینی قوم مجاہدین سے کہہ رہی ہے کہ ہم زندہ ہیں آج فلسطینوں کا دنیا کی سب سے بڑا جاسوسی کا نیٹ ورک رکھنے والی جدید ترین ہتھیاروں سے لیس اسرائیل سے کسی بھی مسلمان ممالک کی سیاسی سفارتی جانی مالی اور اخلاقی حمایت کے بغیر محض اللہ کے بھروسے اور توکل پر غلیلوں پتھروں اور کھجور کی شاخوں سے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ ہم آذاد ہیں اور تمہارے اوپر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ ڈیڑھ ارب ہو کر بھی ابابیلوں کے منتظر مسلمان کہ وہ آئیں اور بیاسی لاکھ اسرائیلیوں سے ہماری جان چھڑائیں تو وہ اپنے کنکر یہودیوں کو نہیں بلکہ بے حس مردہ ضمیر جہاد سے دور عیش و عشرت میں ڈوبے امریکہ کے غلام مسلمان حکمرانوں کو ماریں گے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تمام مسلمان ممالک او آئی سی کا اجلاس بلا کر فلسطین کے مسئلے پر ایک موقف اپناتے اور فلسطینی مجاہدین کو یہ پیغام دیتے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں کیونکہ تاریخ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ جب بھی ہم نے دین الہی کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا ہے ہم ہر مصیبت اور ابتلاء کے دور سے سرخرو ہو کر نکلے ہیں۔

جب بھی ہم نے ذوق یقین سے لبریز ہو کر اسلام کی شاہرہ پر قدم رکھا ہمارے سامنے پہاڑوں نے سر جھکائے ہیں۔ آج مسجد اقصی کے بلند و بالا مینار بچوں کی دلدوز چیخیں ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی آہیں، بے سروسامان نہتے، ٹینکوں، توپوں اور لڑاکا طیاروں کے مقابلے میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے غلیلوں اور پتھروں سے لڑتے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے مجاہدین غزہ میں محصور بجلی پانی خوراک سے محروم سسکتے بلکتے محصوم بچے، مسلمانوں کے گھروں سے بلند ہوتے آگ کے شعلے، ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمانوں اور انکے اوپر مسلط امریکہ اسرائیل نواز مردہ ضمیر حکمرانوں کی بے حسی، غفلت، موت کے خوف اور ڈر کو دیکھتے ہوئے ماتم کر رہے ہیں۔

پہلوانوں کا شہر

محمد حسن مختار

پہلوانوں کا شہر گجرانوالہ کو کہا جاتا ہے۔ گجرانوالہ پنجاب کی ایک ڈویژن ہے، مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پیدائش بھی گجرانوالا میں ہوئی تھی۔

رات کے تقریباً گیارہ بجے یہ سفر شروع کیا اس مرتبہ اپنے ساتھ زیادہ سامان نہیں رکھا بس ایک کپڑوں کا جوڑا کیونکہ ایک دن گجرانوالہ رہنا تھا۔ دسمبر کی سرد راتوں میں سفر، زندگی کا منفرد تجربہ ہوتا ہے۔ دھند ہونے کی وجہ سے باہر کی دنیا نظر نہیں آرہی تھی اس لیے سونے کو ترجیح دی لیکن نیند بھی کہاں آتی تھی۔ کھڑکی سے باہر دیکھنے پر دھند کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بس کبھی ادھر سر رکھا کبھی ادھر اور یوں اپنی منزل تک پہنچے۔ پہنچتے ہی ہمیں سونے کے لیے جگہ دکھا دی گئی، میرا دوست کمبل لایا تھا جس میں ہم دونوں سو گئے۔ جب سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو تقریباً تین بج چکے تھے۔ ابھی نیند نے اپنی آغوش میں لیا ہی تھا کے کسی کا اونچی اونچی آواز میں موبائل فون بجنے لگ گیا۔ ہلکی سی نیند کا جھونکا آیا اور پھر کسی کا الارم بج گیا موبائل والا تو نہ اٹھا لیکن اردگرد کے لوگ ضرور اٹھ گئے۔ اس کے بعد کچھ گھنٹے نیند کی پھر صبح اٹھتے ہی پیغام ملا کے اپنا سامان تیار کر لیں ہمیں گجرانوالہ شہر میں جانا ہے ناشتہ بھی وہیں ہوگا۔ ہم منزل تک پہنچے ناشتہ اپنا روایتی دال روٹی سے کیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد جسم میں انرجی آگئی۔ اب رہائش سے باہر نکلا یہ معلوم نہیں تھا کے کہاں جانا ہے گوگل پر دیکھا تو کئی چیزیں ہمارے اردگرد تھیں۔ بازار گئے وہاں جا کر ایک بابا جی سے پوچھا کے راجا رنجیت سنگھ کی حویلی کہاں ہے وہ بولا کہ حویلی تھوڑے فاصلے پر ہے لیکن مندر اسی محلے میں ہے۔ مندر کا سن کر میں پرجوش ہوگیا کیونکہ تاریخی عمارتیں دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ محلے میں لوگوں سے پوچھتے پوچھتے پہنچ گئے۔ یہ قدیمی عمارت لگ رہی تھی جس کے باہر اردو اور ہندی میں نام لکھا ہوا تھا "مندر سری وجے راگھو رام"۔

اب یہ مندر رہائش کی شکل اختیار کر چکا ہے اور خاص توجہ نہیں دی جاتی لیکن اس کی عمارت دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کے یہ سالوں پرانا ہے۔ اس مندر کی تصاویر اور ویڈیوز وغیرہ بھی بنا لی تاکہ بعد میں یادگار رہے۔ اس محلے سے باہر نکلے اور روڈ پر آگئے یہاں سے آگے ہم گجرانوالہ ای-لائبریری گئے ۔ یہ لائبریری سٹیڈیم کے سامنے بنائی گئی ہے یہاں لیپ ٹاپ و کمپیوٹر کی سہولت موجود ہے۔ اس کے علاوہ کتابی شکل میں کئی سو کتابیں موجود ہیں۔ کتابیں نایاب و منفرد تھیں۔ اس لائبریری میں بیٹھ کر بہت سکون ملا چند کتابوں کی ورق گردانی کی۔ کتابیں ہاتھ میں پکڑنے سے ٹھنڈک دل میں محسوس ہوتی ہے۔ لائبریری میں بیٹھ کر بہت خوشی محسوس ہوئی کافی بات چیت کی کتابوں پر اس کے بعد باہر نکل آئے۔ انسان کی زندگی اس کے عمل سے بدلتی ہے۔ خوش رہنا یا افسردہ رہنا حالات سے زیادہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ سیر و سیاحت سے انسان کبھی بوڑھا نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کے وہ ہر وقت خود کو مصروف رکھتا ہے۔ مصروف انسان کئی چیزوں سے بچ جاتا ہے جن میں سب سے بڑی چیز منفی سوچ ہے۔

"مسکرانا اور خوش رہنا دنیا کے دو طاقتور ترین ہتھیار ہیں" ہم گجرانوالہ سے نکل کر گکھڑ پہنچے اور پھر یہاں سے وزیر آباد۔ وزیر آباد ایک پل پر ہم نے رکنا تھا اس پل کا نام یاد نہیں۔ یہ زمین سے اونچا تھا ہم دو لوگ اوپر کھڑے تھے ہم وہاں سے نیچے اترے اور چائے کا نشہ پورا کیا۔ اس کے بعد پھر اوپر پل پر کھڑے ہوگئے۔ کچھ دیر بعد یاد آیا کے میٹھا کھانا تو بھول گیا ہوں، میٹھا سمجھو زندگی ہے۔ نیچے اتر کر سیدھا مٹھائی والی دکان پر گیا جہاں برفی تو ختم ہوچکی تھی۔ دکان والا اپنے گاجر کے حلوے کی تعریف کرنے لگا کے سارا کھویا آج حلوے میں ڈال دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ بس یہ سن کر مجھ سے رہا نہ گیا اور حلوہ خرید لیا اور اپنے دوست ذیشان خالد کے پاس چلا گیا مل کر حلقہ کھایا۔ ذائقہ بس اچھا تھا لیکن میٹھے کا شوق پورا ہوگیا ۔ گجرانوالہ کو زیادہ اتر کر تو نہیں لیکن روڈ سے دیکھا بہت اچھا شہر لگا یہاں بہت قدیمی عمارتیں موجود ہیں اور ویسے بھی گجرانوالہ کھانوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ گجرانوالہ سے ہم نے صرف فرائیڈ رائس کھائے جو بہترین لگے ۔

"The Distance Between Dreams And Reality is called Action "

زندگی ہنسی خوشی گزاریں آپ کے پریشان رہنے سے کسی کو فرق نہیں پڑنے والا۔ وقت کو قیمتی بنائیں ایسے لوگوں سے دور رہیں جو ہر وقت شکوے شکایات کرتے رہتے ہوں جن کی سوچ منفی ہو۔ اسی سفر کے دوران میں ایک مرتبہ گھاس پر دھوپ میں لیٹا ہوا تھا۔ ساتھ ایک شخص لیٹا ہوا تھا کہنے لگا : "رات مجھے بہت سردی لگی ہے لیکن میں سوچتا ہوں میرے بس بچے خوش رہیں انھیں کوئی تکلیف نہ ہو ۔ ان کا والد ڈیوٹی کر لے گا سخت لیکن بچے ہنستے رہیں۔ میں جب بھی پریشان ہوتا ہوں میرے سامنے میرے بچوں کے مسکراتے چہرے آجاتے ہیں پھر میں بھی خوش ہوجاتا ہوں"۔ یہ سن کر مجھے احساس ہوا کے ہم اپنے والدین کے اتنی قدر نہیں کرتے جتنی کے وہ مستحق ہیں۔ والدین زندہ ہو تو ان کی قدر نہیں کرتے جب یہ عظیم نعمت ہم سے دور ہو جاتی ہے، جب دنیا میں ان جیسا کوئی بھی مخلص شخص نہیں ملتا اس وقت ہمیں ان کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

دنیا کی بجائے اپنے والدین کو "آئی لو یو" کہیں۔ والدین کو مسکرا کر جواب دیں۔ والدین کو مسکراہٹ دیں اس سے آپ کے دل کو سکون ملے گا۔ یہ سفر میرے لیے بہت اہمیت کا حامل تھا بہت کچھ سیکھا اس سے آئندہ پھر کسی نے سفر کے ساتھ ملیں گے۔

"نسلیں آپ کی نصیحتوں سے نہیں، آپکے اعمال سے سیکھتی ہیں"۔

مثل یوسف

عمیمہ عبدالرشید

رات کے آخری پہر جب میں رو رو کر ہلکان ہوئے جا رہی تھی تب وہ شخص ہی میرے پاس تھا جس کو ہمیشہ میں نے اک محدود دائرے میں رکھا کل وہ میرے اتنا قریب تھا کہ کبھی میرا ماتھا چامتا، کبھی آنکھیں تو کبھی میرے بکھرے بالوں کو سمیٹتا، کبھی میرے آنسوؤں کو صاف کرتا اور مجھکو بار بار یہ کہتا جاتا "میں ہوں نا تمہارے پاس، اک بار تو دیکھو مجھ کو" اور جب میرا منتشر ذہن پھر وہی باتیں دہراتا جو مجھ کو تکلیف دے رہی تھی، میں پھر سے بازؤں کا حصار بنائے رو پڑتی تو مجھ کو وہ اپنے گلے سے لگاتا بار بار میرا چہرا دیکھتا، اس کے ہر ہر عمل سے میرے لیے فکر، اک بے چینی اور محبت جھلک رہی تھی، بالآخر میں نے خود کو سنبھالا اور اس کو گلے لگا کر کہا

"تم دنیا والوں کو نظر کیوں نہیں آتے، دیکھو تم اک وجود رکھتے ہو خدا سے مانگ لاؤ میرے لیے اک ایسا وجود جو دنیا والے بھی دیکھیں اور میری قسمت پر رشک کریں" یہاں اسکی گرفت میں نرمی چھائی اور میرا ہاتھ تھام کر کہنے لگا "مجھے مصائب میں تمہارے کام انا تھا مگر میں تم سے محبت کر بیٹھا لیکن دیکھو لڑکی یوسف چاہیئے تھا۔ مگر باکردار تمہاری طرح، تمہاری دعا یہی تھی کہ کوئی مجھ کو نہ دیکھے تمہارے سوا" قبل اس کے میں اس کے گلے لگ کر پھر روتی وہ عکس نور کے موتیوں کی طرح دھندلا سا گیا وہ وجود جو وجود رکھتا ہی نہیں تھا بے وجود ہو گیا مگر میں نے کل رات سب کچھ پا لیا "سب کچھ"!

لا حاصل پر کیسے آنسو بہانا

رابعہ ذوالفقار

"جب کوئی پوچھتا ہے آپ کے بابا کیا کرتے ہیں؟ تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، آنکھیں بھر جاتی ہیں۔ بابا گہری خاموشی کہ بعد بابا نہیں ہیں میرے۔ صباء کہ ان الفاظ نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔ دل سے ٹھیس اٹھی، آنکھیں بارش میں ٹپکنے والی چھت کی طرح ٹپ ٹپ بہہ نکلیں، جس کا کوئی پرسان حال نہیں، ذہن میں بجلی کوندی "بابا" ان الفاظ کی مٹھاس سے تو میری زبان برسوں سے نا آشنا رہی ہے۔ محرومیوں کے گھٹا ٹوپ سایوں سے بچانے کیلئے خود کو دلاسہ دیتے خود سے ہم کلام ہوئی، اے بہادر لڑکی! یہ آنسو کیسے؟ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کا بچپن بھی تو ابراہیم (علیہ السلام) کے بغیر گزرا کیا انھوں نے اپنے آپ پر بے بسی طاری کر لی؟ کیا وہ خود ترسی میں مبتلا ہوئے؟ لاحاصل پر کیسے آنسو بہانا شیطان ایک ہی کمی کو بار بار دیکھتا اور ہم ہزار ہا نعمتیں بھول جاتے ہیں، پگلی رونے دھونے کو چھوڑو امید بنو ہمدرد بنو کیونکہ انسانیت کو سمجھانے سے زیادہ سمجھنے والوں کی ضرورت اور کمی ہے۔

اپنی قابلیت پہچانیں

رابعہ ذوالفقار

سنو پیاری!

مایوس نہ ہوا کرو اللہ نے تمہاری زندگی کا مقصد رکھا ہے۔ اپنے آپ کو بے کار نہ جانا کرو، اپنے اندر چھپی صلاحیتوں کو پرکھا کرو، جہاں مایوس ہونے لگو، تو اللہ سے فوراً رجوع کیا کرو، اللہ کی تخلیق پر غور کرنا شروع کر دیا کرو، ،شیطان انسان کا ابدی دشمن ہے وسوسہ، شکوک و شبہات کی وادی میں لے جاکر نا اُمیدی مایوسی کے جال میں پھانس دیتا، میں منتشر سوچیں، الجھے خیال لیے سوچ رہی تھی۔ آج کا دن پھر گزر گیا، کچھ نا کر پائی، کیا ہے میری زندگی کا مقصد؟ بے معنی، بے تکی زندگی گزار رہی۔ ان دم توڑتے خیالات سے پیچھا چھوڑانے کیلیئے استاذہ جی کی تفسیر سننے لگی۔ جب اس آیت پر پہنچی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَۃً فَمَا فَوۡقَہَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا ۙ وَّیَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ (26)

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو، یا اس سے بھی ہلکی چیز کی۔ ایمان والے تو اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مُراد لی ہے؟ اس کے ذریعہ بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے۔ اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے۔

تو سوچتی ہوں مچھر کا ذکر آیا۔ حالانکہ لوگ کہتے اللہ نے اس مچھر جیسی حقیر چیز کی مثال کیوں دی قرآن میں؟

ابھی دماغ اسی کشمکش کا شکار تھا۔ تو استاذہ جی نے بڑے فصیح بلیغ انداز میں وضاحت کی گویا کہ وہ میری الجھن سمجھ گئیں ہوں۔ کہنے لگیں "مچھر کو اللہ تعالی نے سو آنکھیں دی ہیں۔ وہ بھی کمپاونڈ ہیں۔ (یعنی چاروں طرف دیکھ سکتا)حتی کے اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا جہاں ہماری آنکھیں بھی کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔ اللہ تعالی نے اسے اتنی زبردست صلاحیت دی ہے کہ وہ اندھیرے میں سے انسان کے ٹمپریچر کو جانچ کر اس پر جا بیٹھتا کسی اور چیز پر نہیں۔ پھر ذہن سوچنے پر مجبور ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا ہی کیوں کیا؟ گو استاذہ پھر متوجہ ہوئیں جیسے میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کو بھانپ چکی ہیں۔ کہنے لگیں "کیونکہ بہت سے حیوانات کی وہ غذا ہے. پانی کے اندر پائی جانے والی مچھلیوں کے بچوں، پرندوں کے بچوں کی خوراک کا کام دیتا اور اسی طرح اس کے علاوہ بھی اس کے اندر بے شمار صلاحیتیں مضمر ہیں۔"یہ سنتے ہی میں اللہ سبحان وتعالی کی تخلق وقدرت، کارگری پر دھنگ رہ گئی۔ اور اپنے آپ کو جو منفی پیغام دے رہی تھی، یہ کہتے ہوئے مطمئن ہو گئی۔

وہ رب ایک ننھی مخلوق مچھر میں اس قدر صلاحیت رکھ سکتا ہے۔ تو میرے اندر کیوں نہیں؟ بالآخر اس نتیجے پر پہنچی آئیں ہم سب مایوسی چھوڑیں اور اپنی صلاحیتیں تلاش کریں۔

پانی کا بلبلہ

آمینہ یونس

آج وہ بہت خوش تھی خوش کیوں نہ ہوتی، شادی کے پورے دس سال بعد اللہ تعالی نے بہت منتوں، حاجتوں، کے بعد اس کی دعا سن لی تھی اور اس کی گود ہری ہونے والی تھی جب سے یہ بات گھر والوں کو معلوم ہوئی تھی کہ ندا ماں بننے والی ہے۔ اس کو ہتھیلی کا چھالہ، بنا لیا تھا کسی بھی کام کو ہاتھ لگانے نہیں دیتے تھے، وہ جاڑو اٹھاتی تو کوئی نند یا بھاوج آگے بڑھ آتی اور ہاتھ سے جاڑو لے لیتی، وہ چولہے کے پاس جاتی تو ساس اسے وہاں سے اٹھا دیتی اور ساس ندا کو ناراض ہونے لگتی، اتنی منتوں کے بعد اب کہیں جا کے یہ دن آیا ہے اور تم اسے بھی کچھ کرنے پر تُلی ہوئی ہو، بس میں نے کہ دیا تم کوئی کام نہیں کروں گی۔ تو نہیں کرتی، کبھی کبھی ندا اتنی زیادہ پروٹوکول پر الجھن کا شکار ہو جاتی، لیکن سب کی اتنی محبت اور آنے والے مہمان کی اہمیت کا اندازہ کر کے چپ ہو جاتی اور بے اختیار زبان پر شکر کے کلمات آجاتے کہ اس رب نے میرے جیسی گناہ گار کو اپنے کرم سے نوازا۔

جب سے ماں بننے کی خوش خبری سنی تھی دل میں محبت کا ایک دریا موجزن ہوتا دیکھ رہی تھی اور اس وجود سے جو ابھی انسانی شکل میں آیا بھی نہیں تھا اس پر پیار آجاتا، اور کبھی اپنے شوہر کے ساتھ اس کی باتیں کرتی، سنو محسن، جی بیگم سن رہا ہوں بتاؤ وہ شرما کے کہتی آپ کو اپنے بچے سے کتنا پیار کرتے ہیں؟ اس پر محسن کہتا استغفراللہ بیگم یہ کیسا سوال ہے؟ کون والدین ہو گا، جس کو اپنے بچے سے پیار نہیں ہو گا، جی سب کو ہوتا ہو گا لیکن میں آپ کی بات کر رہا ہوں، آپ کو کتنا پیار ہے؟ وہ پر سوچ انداز میں اپنے شوہر کو دیکھتے سوال کو دہرایا تو محسن کہنے لگے۔ جتنا تم کو پیار ہے اتنا میں بھی اپنے بچے سے پیار کرتا ہوں، کیونکہ جتنی بے قراری سے تم نے اس کا انتظار کیا ہے۔ اتنا ہی میں نے بھی کیا ہے اچھا ویسے لوگ کہتے ہیں نہ بچوں کو باپ سے زیادہ ماں پیار کرتی ہے۔ وہ ہنسی کو ہونٹوں میں دباتی کہہ رہی تھی ،جی نہیں باپ بھی اتنا ہی پیار کرتا ہے بس باپ کو صحیح طرح اظہار کرنا نہیں آتا، اس لیے ماں سارے نمبر لے جاتی ہے اور باپ بے چارا دیکھتا رہ جاتا ہے۔

محسن نے سنجیدہ ہوتے ہوئے جواب دیا، تو ندا کہنے لگی ارے ارے اب اتنی سنجیدہ صورت نہ بنا لیں۔ مان لیا باپ بھی بچوں سے اتنا ہی پیار کرتا ہے بلکہ ماں سے بھی زیادہ پیدائش سے لے کر جوان ہونے تک بچوں کے ناز تو باپ اٹھاتے ہیں۔ گرمی سردی کی پرواہ کیے بغیر اب آگئی نا پوائنٹ پر اب بتاؤ ماں زیادہ پیار کرتی ہے یا باپ؟ جی جی وہ مسکرا رہی تھی اس چھیڑ چھاڑ میں ندا کو بہت مزا آرہا تھا اور یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دن گذرتے جا رہے تھے اور وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ ننھی سی کلی کے خیالوں میں ڈوبتے, ابھرتے تخلیق کے مراحل طے کر رہی تھی۔ ساتھ میں یہ دعا بھی وردِ زبان رکھتی کہ اے اللہ میرے اس ننھے وجود کو صحیح سلامت رکھ کر ہماری خوشی کو برقرار رکھنا۔ لمحہ بہ لمحہ تخلیق کے مرحلے طے کرتے۔ انتظار کی گھڑی گن گن کر وہ دن بھی قریب آگیا۔جس کے انتظار میں دس سالوں سے کر رہی تھی۔ اس خوشی کو پانے کے لیے محسن جو روزگار کے سلسلے میں بیرونِ ملک مقیم تھے۔ اس سال وہ بھی وہاں نہیں گئے تھے۔ پیسہ تو آنے جانے کی چیز ہے۔ اس خوشی کے لمحے کو میں نزدیک سے دیکھ کے محسوس کرنا چاہتا ہوں۔

جب ندا کی تکلیف میں اضافہ ہوا تو سب کے لبوں پر زچہ بچہ دونوں کی خیریت کی دعا تھی تکلیف تھی کہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی اور خوشی کی کوئی علامت بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی تو سب ہکا بکا ہونے لگے ۔گاؤں میں کوئی ہسپتال بھی نہیں تھا جہاں یہ کیس کے لئے جاتے، محسن کے ساتھ باقی مردوں نے بھی دوڑ دھوپ کر کے ایک گاڑی کا انتظام کیا اور تین گھنٹے کی مسافت پر ہسپتال تھا وہاں ندا کو لے جایا گیا۔ تین گھنٹے طے کر کے جب وہ ہسپتال پہنچے تو ،وہاں پر ڈاکٹر دستیاب نہیں تھا ندا ہوش کھونے لگی تھی اس کے عزیزوں کا الگ رنگ اڑا ہوا تھا۔ ان کو لگ رہا تھی کہ اب وہ زچہ بچہ دونوں کو کھونے والے ہیں۔ خدا خدا کرکے ڈاکٹر کو برآمد کیا محسن ڈاکٹر کو ڈیلیوری روم میں لے گیا اور گھر والے دروازے سے لگ کر اپنے رب کی رحمت کو پکارنے لگے ایک گھنٹے کی مزید جان لیوا انتظار کے بعد ڈاکٹر کی بات نے ان سب کی دھڑکتے دلوں کو ساکت کر دیا تھا ہم نے زچہ کو بچا لیا ہے لیکن بچے کو بچا نہیں سکے وہ ماں کے پیٹ میں ہی مر چکا تھا یہ سن کر محسن کو لگا کہ اس کا سانس رک گیا ہے۔

وہ اپنے ہوش کھونے لگا۔ اچانک اس کو ندا کا خیال آگیا اور دل تھا کہ پھٹ جانے کو تھا ،لیکن اسے حوصلہ رکھنا تھا ندا سے سامنے کرنے کا ندا کو سنھبالنے کا، جب ندا کو روم میں شفٹ کیا تو وہ ٹوٹے قدموں سے ندا کی طرف بڑھا، محسن کو دیکھ کر ندا اپنا صبر کھو بیٹھی اور بلک بلک کر روتے ہوئے کہنے لگی۔ دیکھو محسن جس کے لیے ہم نے برسوں انتظار کیا اور نو ماہ میں نے اپنا خون پلا کے محبت نچھاور کرکے جیسے روح و جسم کو سینچا وہ پانی کا بلبلہ ثابت ہوا دیکھو محسن وہ ہماری برسوں سے جمع کی ہوئی محبت دیکھے بغیر چلا گیا وہ میری جسم وجان کو ویران کر گیا ندا کا سسکتا وجود باہوں میں بھر کے محسن کے آنسو بھی مسلسل بہنے لگے۔

صحت ہزار نعمت ہے

آپا منزہ جاوید

زندگی کیا ہے پیدا ہونے اور مرنے کے درمیان کا وقت۔ انسان ایک وقت میں بہت قیمتی ہوتا ہے اور کبھی یہ انسان بے م قدر و قیمت بے مول ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بوجھ بن جاتا ہے اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔ زندگی جہاں بہت کچھ دیتی ہے وہی یہ جابر سخت دل بن کر چھین بھی لیتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دامن میں رکھنے کو جگہ نہیں رہتی اور کبھی سوائے دامن کے کچھ بچتا ہی نہیں۔ وہی انسان جب پیدا ہوتا ہے تو مبارک مبارک کی آوازوں سے انگن گونجتا ہے وہ انگن کبھی اس قدر خاموش اور پرایا پرایا لگتا ہے۔ اس آنگن کی خاموشی اور بدلاؤ اسے زنجیدہ کر دیتا ہے وہ بچہ جس کے صدقے اتارے جاتے ہیں اس کی تکلیف پے سارا گھر پرشان ہو جاتا ہے وہ بچہ زندگی کی منزلیں طے کرتا نجانے کیوں بے معنی اور ایک فضول بے قدر سے کردار کا روپ دھار لیتا ہے۔ اس کی تکلیف کو اس شدت سے محسوس کرنے والے نہیں رہتے اس کی نذر اور صدقے اتارنے والے نہیں رہتے وقت کے ساتھ اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔

وہ انسان جو کبھی زندگی کو رنگ بھرے رنگوں میں گلشن کے پھولوں میں محسوس کرتا ہے اڑتے پرندوں میں خود کو دیکھتا ہے۔ آسمان کی سرخی میں اپنے خوابوں کو بنتا ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں کو فتح کرنا چاہتا ہے۔ دنیا کو اپنے خیالات کی دنیا میں قید کرتا ہے۔ وہی انسان کبھی کبھی اس قدر بے بس مجبور ہو جاتا ہے کہ اسے زندگی بے معنی لگنے لگتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو پنجرے میں بند پنچھی کی طرح محسوس کرتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے زندگی کی تمام دوڑیں تمام تر محنتیں پس قبر تک لے کر جانے کا راستہ ہیں۔ زندگی میں کتنا بھی کما لو جتنی بھی محنت کر کہ دولت گھر مال کوٹھیاں اکٹھی کر لو جب صحت نہیں تو سب چیزیں بے معنی لگتی ہیں۔ صحت ہو تو بندہ محنت مزدوری کر کہ بھی گزر بسر کر سکتا ہے۔ صحت نہ ہو تو چاہیے آپ کے گرد کتنی رنگوں بھی زندگی کھلکھلا رہی ہو آپ کو اچھی محسوس نہیں ہوتی۔ آپ کے چہرے پر خوشی نہیں لا سکتی۔ اللہ تعالی کی عطاء کردہ نعمتوں میں صحت بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا اندازہ جب ہوتا ہے جب انسان بیمار ہوتا ہے۔

اسے لگتا ہے جن چیزوں کے حصول کے لیے اس نے صحت کو داؤ پے لگایا تھا وہ سب بے معنی فضول ہیں۔ صحت کی اہمیتِ کسی بیمار لاچار بستر مرگ پر پڑے ہوئے آدمی سے پوچھیں جو بہت دولت مند ہونے کے باوجود نہ اچھا کھا سکتا ہو نہ چل سکتا ہو اس کی زندگی ایک کمرے تک محدود ہو کر رہ گی ہو اس کا کھانے میں سے سارے ذائقے ختم کر دیئے گی ہوں۔ زندگی جب تک خوبصورت لگتی ہے جب تک انسان صحت مند رہتا ہے صحت کے بغیر زندگی پنجرے میں بند زخمی پرندے کی ماند ہے۔ جس کا ردوازہ کھلا تو ہو لیکن اڑنے کی طاقت نہ ہو۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیجیئے۔ کشادہ رزق کے ساتھ ساتھ اپنی اچھی صحت کا بھی ہر وقت شکر ادا کیجیئے۔ اتنا کھائیے جنتی بدن کو ضرورت ہے اپنے آپ کو اتنا تھکائیں جنتی تھکاوٹ آپ کا جسم برداشت کرسکے صحت بھی خزانے سے کم نہیں اس کو سوچ سمجھ کر استعمال میں لائیں اس کی حفاظت کریں جیسے اپنے مال و دولت کی حفاظت کرتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں شکر ادا کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور برکت ہوتی ہے۔

شکر کا بہترین طریقہ نماز ہے نماز جہاں ہمیں رب تعالیٰ کے نزدیک کرتی ہے وہی ہماری مکمل ورزش بھی ہے اس سے پہلے کہ ہم سجدے سے محروم ہو جائیں اپنی صحت تندرستی کا فائدہ اٹھائیے اور نماز پانچگانہ ادا کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحت کے ساتھ رکھے کسی کا محتاج نہ کرے۔ آمین!

آخری خواہش

اریبہ مظہر

نومبر کے مہینے میں جاڑے کی آمد آمد تھی رات کے گھپ اندھیرے میں پوری دنیا لپٹی ہوئی تھی کوئی خواب وخرگوش میں مست خراٹے لے رہے تھے تو کوئی جاگ کر اپنے رب سے ملاقات کر رہے تھے۔ اس خاموشی کے سماں میں ہر طرف رات کی سیاہی پھیل چکی تھی ایک کمرے میں جو کہ نیم روشن تھا ایک شخص لرزتے وجود کے ساتھ جائے نماز پر بیٹھا اپنے رب سے نادم و شرمندہ جھکا ہوا سر لئے مغفرت مانگ رہا تھا اپنے ماضی میں کئے ہوئے گناہوں پر اور اپنی کی ہوئی غلطیوں کا پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی وہ شخص اٹھا اور اپنے انسو صاف کر کے جائے نماز کو اطراف پر رکھ دیا اور اہستہ سے دروازہ کھول دیا آہان بیٹا! کب اٹھے تم؟ تہجد کی نماز ادا کرلی؟ آمنہ بیگم جو کہ آھان آفندی کی دادی ماں تھی اس سے پوچھنے لگی جی دادی ماں میں نے نماز ادا کرلی آپ کب اٹھی کچھ چاہیے تو نہیں آپکو؟ وہ نرم لہجے میں ان پوچھنے لگا اور انکی گود میں سر رکھ لیا۔

بیٹا میری جان تم پھر روئے ہو؟ تمہاری آنکھیں اداس لگ رہی کیا بات ہے سب ٹھیک تو ہے نہ؟ آمنہ بیگم اسکے سر کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بولی۔ جی جی دادو سب ٹھیک ہے بس دعا مانگتے مانگتے پتا ہی نہیں چلا کب اتنے اشک رواں ہوگئے اور کب میری داڑھی ان سے تر ہو گئی میں نے ایک بات پوچھنی ہے آپ سے؟ آھان آہستہ آہستہ اپنی دادی سے باتیں کرنے لگا اور وہ اسکو غور سے سن رہی تھی میرا بچہ پوچھو۔
انہوں نے فکر مندی سے کہا دادو! اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتے ہیں تو پھر ہمیں آزمائشوں میں کیوں ڈالتے؟ آخر کیوں ہمارے دلوں کو چین نہیں ملتا وہ بے چینی سے کروٹ بدلتے ہوئے اٹھ بیٹھا بیٹا اللہ سبحان تعالیٰ اپنے بندے کو اتنا پیار کرتے ہیں کہ اگر اس کا بندہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی گناہ کر لے تو اس کو پہلی دفعہ کی سچی توبہ پر قبول کر لیتا اور جب انسان اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کو مانتا اور دوسرے پر نفی کر جاتا تو تب ہمارے دلوں کو بے چینی ہوتی ہے۔

کیونکہ ہمیں یا تو حکم الٰہی ماننا ہے یا پھر نہیں درمیانی راستہ کوئی نہیں ہوتا یہ دین تو ہمیں اطمینان اور دلی سکون بخشتا ہیں اور جو مومن بندے ہوتے ہیں ان پر آزمائش آتی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ جان سکے کہ اسکے بندے آزمائش میں کتنا صبر کر سکتے اور پھر ان کے لئے اجر عظیم کی خوشخبری کا اعلان کیا گیا ہے۔ آمنہ بیگم تفصیلاً اس کو سمجھاتے ہوئے بولی اور حرف بہ حرف آہان کے دل میں اترتا چلا گیا اور وہ پر سکون ہو گیا۔ وہ وہی بیٹھے کئی گھنٹے باتیں کرتے رہے تھے کہ نماز فجر ادا کی اچھا بیٹا اٹھو آفس کی تیاری کر لو میں ناشتہ بنوانے کا کہتی کہیں لیٹ نہ ہو جائے تمہیں آمنہ بیگم پیار سے اسے کہتے ہوئے اسکے کمرے سے چلی گئیں اور وہ فریش ہونے چلا گیا ناشتے پر صرف دو ہی فرد موجود تھے وہ اور اس کی دادی ماں۔ ماضی میں آہان کے والدین کا انتقال ایک کار ایکسیڈنٹ میں ہو گیا جب آہان پندرہ برس کا تھا اس کی دادی اس کا واحد سہارا تھیں۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اس کے والد شہر کے نامور بزنس مین تھے خاندانی جائیداد کا اکلوتا وارث تھا کسی چیز کی کمی نہ تھی مگر دولت نے آہان کی شخصیت بگاڑ دی تھی کچھ بگڑے ہوئے امیر زادوں کی دوستی نے اس کو دین و دنیا کہیں کا نہ چھوڑا تھا حرام مشروب کی لت لگ گئی۔

سگریٹ بھی بلا جھجک پی لیتا تھا ساری ساری رات پارٹی کرتے گزر جاتی تھی اور پورا پورا دن نیند میں گزر جاتا تھا غرض کہ اس نے اپنی زندگی برباد کر لی تھی ایک رات جب وہ دوستوں کے ساتھ پارٹی سے فارغ ہو کر کلب سے باہر نکلا تو ایک لڑکی سے تصادم ہوا اس وقت آہان نشے کی حالت میں تھا نیم بے ہوشی کی حالت میں لڑ کھڑاتے ہوئے چل رہا تھا"کون ہو تم لڑکی اور آدھی رات کو کیا کر رہی ہو" یہاں؟ آہان اسکا بازو تھامتے ہوئے بولا بازو چھوڑو تمہاری ہمت کیسے ہوئی چھوڑو مجھے اور میں تمہیں کیوں بتاؤ کہ میں کون ہو؟وہ لڑکی چیختے ہوئے بولی مگر آہان نے اسکی ایک نہ سنی وہ دیکھنے میں بہت حسین تھی سیاہ رات میں سیاہ لباس میں کھڑی کوئی حسین اپسرا لگ رہی تھی۔ نشے میں ہونے کی وجہ سے آہان کو اپنے حواس سلب ہوتے محسوس ہوئے اور وہ رات کے اندھیرے میں اسکو بے عزت کرتا چلا گیا۔ صبح جب ہوئی تو اسکو احساس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھا تھا اسکو اس لڑکی کے الفاظ اپنے کانوں میں گونجتے ہوئے محسوس ہوئے۔ "خدا کریں کہ تم سکون کے لئے ترسوں تمہیں ہر وقت میری آہیں اور چیخیں سنائی دیں تا کہ تمہیں پتا چلے کہ مکافات عمل کیا ہوتا ہے۔

خدا کرے تمہاری بھی بیٹی ہو ایک میری بددعا ہے کہ تمہیں کبھی زندگی میں دولت ہونے کے باوجود خوشیاں منانی نصیب نہ ہوں" اس نے کراچی کا کونہ کونہ چھان مارا مگر وہ لڑکی نہ ملی آھان اپنے کئے پر شرمندہ تھا اور وہ معافی مانگنا چاہتا تھا مگر وہ لڑکی نہ ملی آھان کی راتوں کی نیند اڑگئی اور بے سکونی اس کی زندگی میں پھیل گئی تھی وہ ڈیپریشن کا مریض بن گیا اسکی دادی بہت پریشان تھی انہوں نے اپنے جاننے والے مفتی صاحب ڈاکٹر عبداللہ ان سے رابطہ کیا اور ساری بات بتا دی انہوں نے آھان کو ہر دوگھنٹے اپنے پاس سیشن کے لئے بلاتے اور اسکو سمجھاتے تھے ان کی تھیراپی سے آھان چھے مہینوں میں ریکور ہو گیا اور آہستہ آہستہ وہ زندگی میں نارمل ہونے لگا وہ نمازوں کی پابندی کرتا اور بلاناغہ تلاوت کرتا ہر رات تہجد کے وقت اٹھ اٹھ کر اس گناہ کے لئے توبہ کرتا اور دعا مانگتا کہ وہ لڑکی اس کو مل جائے مگر اس بات کو گزرے ڈیڑھ سال ہو گیا تھا بر وہ کہیں نہ ملی۔

آج آفس میں نئے امپلائز کا انٹرویو تھا اور جاتے ساتھ اس نے اپنی سیکرٹری کو کہا کہ باری باری سب کو انٹرویو کے لئے بھیج دیں کچھ لوگوں کے بعد ایک آخری لڑکی رہ گئی تھی۔

آہان نے اس کو بلوایا جیسے ہی اس نے قدم آفس میں رکھا اسکے حواس باساختہ ہو گئے اور اسکادماغ ماؤف ہو گیا اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے جسکی تلاش میں اس نے چپا چپا چھان مارا تھا اسکی سی وی میں اسکا نام درج تھا جسکو آھان بڑے غور سے دیکھ رہا تھا "لیل سکندر"۔ لیل سکندر نے آھان آفندی کو دیکھتے ہی واپس مڑ گئی اور آھان اسکے پیچھے بھاگا، لیل سکندر کے قدم من بھر کے ہوگئے اسکی آنکھیں اشک بار تھیں وہ قریبی پارک میں بیٹھی رو رہی تھی کہ قسمت نے اسے پھر اسی شخص سے ملا دیا جسکی وہ کبھی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی اتنی دیر میں آھان اسکو ڈھونڈتا ہوا پارک آن پہنچا اور اپنی سانس بحال کی لیل نے اسکو دیکھا تو وہاں سے جانے لگی مگر آھان نے اسکو پکارا "لیل سکندر آخری دفعہ میری بات سنتی جاوں میں بہت شرمندہ ہوں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں خدا کے لئے ایک بار بیٹھ کر میری بات سن لو" کہو جو کہنا ہے میں سن رہی ہوں آھان آفندی وہ حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی: آہان اپنے گھٹنوں کے بل اسکے قدموں میں بیٹھ گیا لیل خدا کے لئے مجھے معاف کردوں میں نے وہ سب ہوش وحواس میں نہیں کیا تھا میں خود سے سے نظریں نہیں ملا پاتا مجھے ایک بار معاف کردو میں کبھی تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دوں گا۔

پلیز وہ ہاتھ جوڑتے ہوئےبولا لیل سکندر نے اس بزنس مین اور مضبوط مرد کو اپنے قدموں میں جھکے دیکھا اور وہ حیرت میں گڑ گئی اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا میں نے تمہیں معاف کیا ایک احسان کردو مجھ پر کہ آئندہ اپنی شکل مت دکھانا میری زندگی سے نکل جاؤ ہمیشہ کے لئے"

لیل نے اس کے وجود پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کہا اور واپس چلی گئی آھان کے پاس کچھ نہ بچا تھا وہ خالی ہاتھ لئے وہی بیٹھا زارو قطار رو رہا تھا اسی نومبر میں وہ دونوں ملے تھے اور اسی نومبر میں بچھڑ گئے مگر کون جانے کہ لیل سکندر نے کس ظرف کے ساتھ اسکو معاف کیا ہوگا کون جانے آھان آفندی آج بھی لیل سکندر کی جدائی میں تڑپتا ہو گا زندگی گزرہی تھی مگر وہ دونوں بچھڑ گئے مگر کون جانے کے دونوں کس کس منزل کے مسافر تھے وہ وقت کے دھارے نے ان کے مقدر میں یہی لکھا تھا نومبر کا مہینہ ہر سال آھان آفندی کے لئے سوگوار ہوتا تھا وہ اک ادھوری خواہش کی مانند تھی جو ملی تھی مگر مقدر نہ بن سکی اسکو چاہ تو تھا مگر اپنا بنانے کا ارمان پورا نہ ہو سکاوہ اک ایسی لاحاصل سی تمنا تھی جو کبھی مل نہیں سکتی۔

وہ اک ایسی محبت تھی جسکی بھٹی میں دونوں فریقین جل رہے تھے مگر اپنے احساسات پر جبر کئے ہوئے اک دوجے سے جدا ہوگئے۔ وہ یونہی اپنی باقی زندگی اسکے انتظار میں گزار رہاتھا اور کس کو معلوم کہ لیل سکندر نے آج تک آھان آفندی کو یاد رکھا ہو مگر کون جانے۔

یقین کا سفر

سونیا ارم

فواد جیسے ہی گھر میں داخل ہوا اسے سب گھر والے خاموش دکھائی دیئے۔ سب ایک نظر اسے دیکھ کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ فواد بھی بنا کسی سے کچھ پوچھے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ اندر پاؤں رکھتے ہی اس کی نظر بیڈ پہ پڑی جہاں حرا کا وجود سسکیوں سے لرز رہا تھا۔ فواد اپنا آفس بیگ صوفے پہ پھینکتے جلدی سے حرا کی طرف لپکا۔

حرا کیا ہوا؟ تم رو کیوں رہی ہو؟ حرا جو نجانے کب سے رونے میں مصروف تھی اسے فواد کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا، فواد کو دیکھ کر جلدی سے آنسو پونچھتی اٹھ کر بیٹھ گئی، کیونکہ وہ فواد کے غصے سے واقف تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے فواد گھر والوں سے الجھے، حرا میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں فواد نے حرا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ نہیں فواد کچھ بھی نہیں ہوا میں تو بس وہ امی ابو کی یاد آگئی تھی تو آنسو نکل آئے۔ اچھا تو میری حرا نے اب جھوٹ بولنا بھی سیکھ لیا ہے۔ جب تمہیں پتا ہے کہ میں تمہیں دیکھ کر تمہاری تکلیف کا اندازہ لگا لیتا ہوں تو پھر مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کیا کرو۔ اب شاباش جلدی سے بتاؤ کیا ہوا ہے؟

فواد آپ عاشی سے شادی کر لیں نا! حرا نے فواد کے کندھے پہ سر رکھتے ہوئے کہا۔ دماغ خراب ہے تمہارا، میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے دوسری شادی نہیں کرنی تو پھر کیوں میرا موڈ خراب کرتی ہو؟

لیکن فواد ہماری شادی کو دس سال ہو چکے ہیں۔ ابھی تک میں آپکے خاندان کو وارث دینے میں ناکام ہوں۔ میں بھی باقی سب کی طرح چاہتی ہوں کہ اس گھر میں بچوں کی ہنسی گونجے، آپ کو پاپا کہہ کر بلانے والا کوئی ہو۔ میں چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہی روز روز کے طعنوں سے میں تھک گئی ہوں میں اور عاشی ویسے بھی کوئی غیر تھوڑی وہ آپ کی خالہ زاد ہے اور بچپن کی منگیتر بھی وہ ابھی تک صرف آپ کے نام کے سہارے بیٹھی ہوئی ہے شادی نہیں کر رہی۔ فواد گہری سوچ میں تھا وہ جانتا تھا کہ ضرور اس کی ماں اور بہنوں نے آج پھر حرا کو بےاولادی کے طعنے دیے ہوں گے اور فواد کو شادی کے لئے رضا مند کرنے پہ اکسایا ہے، کیونکہ حرا سے شادی فواد نے اپنی مرضی سے سب کی مخالفت مول لے کر کی تھی۔

تب سے فواد کے گھر والوں کا رویہ حرا کے ساتھ صحیح نہیں تھا۔اوپر سے اولاد نہ ہونا گویا حرا کا جرم بن گیا تھا۔ فواد کچھ سوچ کے اٹھا,حرا کا بازو پکڑ کر باہر لے گیا۔ امی، ابو بھائی آپی کہاں ہیں سب؟ فواد کے چلانے کی آواز سن کر سب ہال میں جمع ہو گئے۔ سب سے پہلے تو آپ لوگ میری بات کان کھول کر سن لیں کہ میں کسی صورت بھی عاشی سے شادی نہیں کروں گا، اس لئے امی آپ خالہ کو صاف صاف منع کر دیں کہ مجھ سے امید مت رکھیں اور دوسری بات اولاد دینا یا نہ دینا یہ اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں حرا کا کیا قصور ہے؟ اگر حرا قصور وار ہے کہ وہ ماں نہیں بن پا رہی تو پھر میں بھی قصور وار ہوں کہ میں بھی تو ابھی تک باپ نہیں بن پایا۔ حرا کو برا بھلا کہتے ہوئے ذرا آپ لوگ سوچ لیا کریں کہ آپ حرا پہ نہیں مجھ پہ انگلی اٹھا رہے ہیں۔ مجھے اپنے اللہ پہ پورا یقین ہے" اگرمیرے نصیب میں اولاد کا سکھ ہے تو وہ مجھے ضرور نوازے گا" جو رب حضرت زکریا علیہ السلام کو عین بڑھاپے میں اولاد سے نواز سکتا ہے اور بی بی مریم کو بنا مرد کے اولاد دے سکتا ہے"۔ میرا رب بھی تو وہی ہے وہ مجھے بھی اپنے فضل سے محروم نہیں رکھے تھا۔"

یہ میرا کامل یقین ہے"۔ آج کے بعد اگر حرا کو کسی نے بے اولادی کی وجہ سے ٹارچر کرنے کی کوشش کی تو میں حرا کو لیکر یہ گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں گا۔ یوں لگتا تھا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔فواد کے غصے سے سب ڈرتے تھے۔ فواد حرا کو لیکر اپنے کمرے میں آگیا۔ حرا فواد کو لیکر اپنی قسمت پہ جتنا بھی ناز کرتی وہ کم تھا۔ فواد نے شادی سے پہلے جو وعدے کئے تھے وہ سب وفا کئے۔ہر جگہ وہ حرا کی ڈھال بن جاتا تھا۔ حرا جانتی تھی کہ فواد اس سے خفا ہے۔ اس نے فواد کو منانے کے لئے اسکی پسند کے کپڑے پہنے اور فواد سے باہر جانے کی فرمائش کی۔ فواد چپ چاپ اس کے ساتھ چل دیا۔ آئسکریم کھاتے ہوئے حرا نے فواد سے سوری کیا تو فواد نے حرا سے کہا کہ کیا تمہیں اپنے اللہ پہ یقین نہیں ہے۔ یا میری محبت میں کوئی کمی رہ گئ ہے۔ فواد آج بہت افسردہ تھا۔ حرا نے فورآ فواد کے ہاتھ تھام لیے۔ نہیں فواد ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو بس سب کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں وعدہ کرتی ہوں آج کے بعد آپکو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔ فواد حرا کی معصومیت پہ مسکرا اٹھا۔ گھر والوں پہ فواد کی دھمکی اثر کر گئ تھی، سب نے حرا اور فواد کے معاملے میں چپ سادھ لی تھی۔

وقت رفتہ رفتہ گزر رہا تھااور اس کے ساتھ فواد کا اللہ سے یقین کا سفر بھی جاری تھا۔دونوں میاں بیوی کی رپورٹس نارمل تھی۔ ڈاکٹری حساب سے کوئی بیماری نہیں تھی بس اللہ کی طرف سے دیر۔" بارہ سال کے فواد کے یقین کے سفر کو اپنی منزل ملی" اور حرا کی کوکھ میں فواد کی محبت کا پھول کھل گیا۔ سب بہت خوش تھے۔خاص طور پہ فواد اللہ کے حضور شکرانے کے نوافل ادا کر رہا تھا جس نے اسے مایوس نہیں کیا تھا اور خوبصورت بیٹے سے نوازا تھا پورے محلے میں مٹھائی بانٹی گئ، حرا کو آج ایک بیٹے کی ماں ہونے کی وجہ سے وہ عزت وہ مان مل گیا تھا جس کی وہ حقدار تھی اور پچھلے بارہ سالوں سے ترس رہی تھی۔ فواد کے یقین کے سفر میں حرا بھی برابر کی ساتھی تھی۔آخر دونوں نے من کی مراد پا لی تھی۔

مرگِ مفاجات

مہوش عنایت

سن ہوتے دماغ کے ساتھ یخ بستہ ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے نادیدہ حرارت اپنے اندر محسوس کرنے کی کوشش کرتے اُس عمر رسیدہ شخص نے یک بارگی لمبی سانس خارج کی۔ حیران کن طور پر اس خارج شدہ سانس کم سرد آہ کے سامنے بیرون کا درجہ حرارت زیادہ تھا۔ گزشتہ بیس منٹ سے وہ اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھا کہ بنا پہلو بدلے بیٹھا رہا۔

"کم بخت جان سے تو گئی ہی مگر جاتے جاتے ہماری عزت دو کوڑی کی کر گئی۔" جواں سالہ بیٹے کی آواز بوڑھے وجود کے اندر گردو پیش کی ٹھنڈک اتار گئی۔ گویا اس کی بیٹی کا یوں جان سے جانا اس کے بھائیوں کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

"ارے مرنا تھا تو کم از کم عزت سے تو مرتی برادری میں کیا منہ دکھائیں گے ہم؟ "دوسرے بیٹے کی آواز ابھری،

"میرے خیال سے اُس بد بخت کی لاش یہاں لا کر منہ پر مزید کالک ملنے کے بجائے جنگل میں درندوں کے آگے ڈال دی جائے"

تیسرے بیٹے کی آواز پر بوڑھے وجود نے حرکت کی اور فیصلہ کن انداز میں باہر کی جانب چل پڑا۔ مردان خانے سے ہوتا ہوا ڈیوڑی میں پہنچنے اور گھر کا داخلی دروازہ عبور کرکے دوران ملازمین کی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔

"عزت اور غیرت سے ہٹ کر بھی بیٹی تو بھئی بیٹی ہوتی ہے"۔

Dead Souls in Alive Bodies

یاسمین ناز

میں نے دیکھا! اکیسویں صدی میں تو کیا دیکھا
زندہ جسموں کی شکل میں مردہ انسان
بے مروت، بے دین، خود غرضی کی کشتی میں ڈوبے ہوئے، اپنے رب سے دور، اس کے پیغمبر ﷺ کی ذات سے نا آشنا اور دنیا کے لئے بھٹکنے والے انسانوں کا لشکر دیکھا ایسے نادان انسانوں کا قافلہ جہاں مغرب کی گھناؤنی تہذیب کو اعلی قسم کی تہذیب سمجھ کر اپنایا جا رہا ہے۔ ایسی قوم جس کو اک بہترین امت قرار دیا تھا قرآن نے آج اپنی زوال کی آخری حدوں تک پہنچ چکی ہے۔
ہاں! کیوں نہ پہنچتی کیونکہ ہم ایسے اندھے ظالم ہیں جن کو گناہ والے کاموں کا پتا ہے مگر پھر بھی کیے جا رہیں جس قوم کے باشندے موسیقی کو روح کی غذا، سمجھنے لگے ہیں، جس دیس میں انصاف بک جائے، جس دیس میں غریب اک وقت کی روٹی کے لئے ترسے اور امیر کھانا پاؤں تلے کچلے اور نالوں میں پھینکے، جس دیس میں ننگا سر، ٹائٹ اور چست لباس میں ملبوس بیٹی کو باعث فخر اور اک پھٹے ہوئے پرانے حجاب والی بیٹی کو حقارت کی نظر سے دیکھا جائے، جہاں بیٹی بیٹی نہ رہے، جہاں ماوں کا تقدس اٹھ جائے، جہاں تعلیمی ادارے گرلز فرینڈ اور بوائے کی گھناؤنے کاروبار میں لگ جائیں اور ماں باپ یہ دیکھ کر خاموش رہیں، جہاں معصوم بچوں کو آداب زندگی سکھانے کے بجائے ان کی تربیت ٹی وی اور موبائل فون کے ذریعے کی جاتی ہو، جہاں پہ نوجوانوں کی خودکشی کی تعداد بڑھتی جائے، جہاں انسان کی قیمت اس کی دولت شہرت اور حسن کو دیکھ لگائی جائے وہ معاشرہ زندہ لاشوں سے بھرا ہوا ایک خطہ ہے جہاں انسانو کی اندر کی انسانیت مر چکی ہوتی ہے۔ ان کی غیرت، ان عزت خاک میں مل چکی ہوتی ہے یہ انسان ایسے ہی ہوتے ہیں جو زندہ رہتے ہوئے بھی مر چکے ہوتے ہیں اور ان کے دل ہی قبرستان بن چکے ہوتے ہیں "ان کی تھکے ہوئے پسماندہ چہرے ایسا نقشہ پیش کر رہے ہوتے ہیں جیسے صدیوں کے بیمار ہوں، کھوکھلی مسکراہٹ سے سجے ان ہونٹ کے ان کی اندر کئی بہت دور سفاکیت کا منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔
(مقصد اصلاح کرنا نہ کہ دل آزاری)

واصف علی واصف

مقیتہ وسیم

میں نے واصف علی واصف کو چند سال پہلے ہی پڑھنا شروع کیا اور بے شک مصنف اپنے مضامین کو اپنی تخلیق سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے وہ خود ہی اپنی تصنیف کا مالک ہے در اصل خیال کا خالق وہی ہے جو انسان کا خالق ہے۔ خیال جب چاہے جہاں سے چاہے نمودار ہو جائے، جس زبان سے چاہے بیان ہو جائے، جس قلم سے چاہے رقم ہو جائے۔ وہ چاہے تو صحرا سے چشمے پھوٹیں، وہ چاہے تو بنجر سیراب ہو جائے۔ وہ چاہے تو تاریکی جگمگانے لگے، وہ چاہے تو انسان کو بیان کی دولت عطا ہو جائے، وہ چاہے تو معصیت مغفرت میں بدل جائے۔ وہ چاہے تو سرنگوں سرفراز ہو جائیں۔ وہ چاہے تو یہ کتاب اُسی کے نام کر دی جائے۔ قطرہ اپنی ہستی اور اپنی ہستی کی بے مائیگی کے علاوہ قلزم کو کیا پیش کر سکتا ہے؟ بس اپنی تخلیق اپنے خالق کے نام"۔ معاشرے میں کچھ لوگ حقیقی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اندر اتنا فہم پیدا کر دیتا ہے کہ وہ دوسروں کیلئے اپنی ذات کو فنا کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ مرنے کے بعد بھی نہیں مرتے۔

حضرت واصف علی واصفؒ فرماتے ہیں، موت" عام انسان کو مار دیتی ہے لیکن بڑے انسان کی موت اس کی عظمت میں مزید اضافہ کر دیتی "ہے۔ اس طرح کے لوگ لمبی کہانی بنتے ہیں۔ جو شخص لمبی کہانی بننا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ بڑی قربانی دے۔ حضرت واصف علی واصفؒ کے پاس آکر لوگ کہتے کہ جب میں کچھ بن جاؤں گا تو تب خدمت کروں گا۔ آپؒ اسے فرماتے، عین" ممکن ہے، اس وقت تمہارے پاس وہ ظرف ہی نہ "ہو۔ بہتر یہ ہے کہ ابھی سے خدمت کا مزاج بنایا جائے۔ ایک دوست اپنے اوائل جوانی کے دنوں میں مرشد پاک حضرت واصف علی واصف رح کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ پرانی انار کلی کے پاس نابھہ روڈ پر واقع "لاہور انگلش کالج" کے پرنسپل کی حیثیت سے ادارہ کے سربراہ تھے۔ آپ سرکار رح نے پوچھا کہ کیسے آئے ہو؟ عرض کی کہ میں آپ سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ مجھے کچھ روز پڑھنے دیں تاکہ میں یہ دیکھ سکوں کہ آپ مجھے پڑھا سکتے ہیں یا نہیں۔

سوال اور خواہش میں تیزی تو بہت تھی مگر آپ میں انتہا درجے کا تحمل تھا اور برداشت تھی جس سے ہم سب لوگ بخوبی واقف تھے۔ آپ نے بڑے سکون سے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ کچھ روز بعد کی بات ہے کہ وہ آپ کے دفتر میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اب بولو۔ جتنے دن ہمارے دوست نے لیکچر اٹینڈ کیے تھے اس کی روشنی میں اپنا یہ تاثر بیان کیا کہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ مجھے پڑھا سکتے ہیں۔ مگر آپ کا جواب سن کر وہ ساکت وجامد رہ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں تمہیں نہیں پڑھاؤں گا! اب ہمارے دوست کے پاس خاموشی کے علاوہ کوئی چارا نہیں تھا۔ کیونکہ اس بات کے جواب کے لیے جو الفاظ درکار تھے وہ ان صاحب کی قدرت اور گویائی کے پاس نہیں تھے۔ اب آپ کی مہربانی اور شفقت دیکھیں کہ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ٹھیک ہے، تم آ جایا کرو۔ آپ کے پاس طالب علم کو دینے کے لیے تعلیم تو تھی ہی سہی مگر یہ علم دینے کا بھی آغاز تھا اور تعلیم کے ساتھ علم دینے کا آپ کا یہ ایک ایسا طریقہ تھا جو آپ سے ہی مخصوص تھا۔

اس طرح آپ دنیاوی یعنی مروّج علم کے مدارج بھی طے کرواتے اور ساتھ ساتھ اس سٹوڈنٹ کو دیکھ کر اپنے فیض سے بھی حصہ دیتے۔ آپ دیکھیں آج کن کن اساتذہ کا ذِکر ہمیں ملتا ہے ۔آج رومی، اشفاق احمد اور واصف علی واصف کا ذِکر زندہ ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ ان کا رویہ اتنا مشفق تھا، ان کا مزاج اتنا خوبصورت تھا اور ان کی قربانی اتنی شاندار تھی کہ جو بھی ان سے ملا، انہیں کا ہوکر رہ گیا۔ جس استاد کے اپنے ذہن کو زنجیر لگی ہوئی ہو وہ کسی طالب علم کے ذہن کی زنجیر نہیں کھول سکتا۔ اس لیے استاد کے اندر بہادری اور جرات کا ہونا بہت ضروری ہے۔ استاد کے اندر اتنا ظرف ہو کہ وہ سوال سن سکے، اپنے شاگرد کی حوصلہ افزائی کر سکے۔ اگر کسی بات کا اسے علم نہیں تو اس کے متعلق معذرت کرسکے کہ مجھے نہیں پتا غلطی ہو جائے تو کھلے دِل سے معافی مانگ سکے۔ اپنی سوچ و فکر کو کام میں لاکر نیا رستہ لے سکے اور دوسروں کو بھی رستہ دے سکے۔ واصف علی واصف ایسے ہی استاد ہے۔ واصف صاحب رح کو مختصر لفظوں میں بڑی اور گہری بات کہنے کا فن و ودیعت تھا۔ یہی وجہ تھی کہ واصف صاحب کے جملوں کو بے تحاشا پذیرائی ملی اور ان کے درجنوں جملے زبان زدِ عام ہوئے۔

واصف صاحب کے فکر و فن کو دو حوالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک اس کا دینی پہلو ہے اور اخلاقی پہلو۔ دینی فکر کا نچوڑ عشق رسول اللہ ﷺ اور اخلاقی فکر کا نچوڑ قربانی ہے. محبّت کوشش یا محنت سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ عطا ہے۔ یہ نصیب ہے بلکہ یہ بڑے ہی نصیب کی بات ہے۔ زمین کے سفر میں اگر کوئی چیز آسمانی ہے تو وہ محبت ہی ہے۔ اچھے الفاظ پر کچھ خرچ نہیں ہوتا، لیکن اچھے الفاظ سے بُہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ الفاظ ہی انسان کو پسندیدہ یا نا پسندیدہ بناتے رہتے ہیں۔ الفاظ خُوشبو کی طرح ماحول کو معطر کرتے ہیں۔

حضرت واصف علی واصف صاحب کی کتاب "قطرہ قطرہ قلزم" سے یہ تحریر آپ سب کے سامنے پیش کر رہی ہوں۔ در اصل جو بھی کام ہم سے لیے جا رہے ہیں وہ صرف اور صرف کرم اور فضل کے نتائج ہیں ورنہ قطرے کی کوئی اوقات نہیں ہے۔ احسان ہے رب العالمین کا. آپ جوں جوں انکی کتب کو پڑھے گے تو جان لیں گے کہ خیال ایک وسیع قُلزم ہے، صاحب خیال کی تخلیقات قطروں کی طرح ہیں۔ قطرہ قطرہ تقسیم ہونے کے بعد بھی قُلزم تو قُلزم ہی رہتا ہے۔ اُس کی وسعتوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خیال بیان ہو کر بھی بیان نہیں ہوتا، سمندر سے دس دریا نکال لیے جائیں تو بھی وہ جوں کا توں ہے اور اگر اس میں دس دریا شامل کر دیے جائیں تو بھی وہ جوں کا توں ہی رہتا ہے۔ یہ صرف احساس کی بات ہے تسلیم کی بات ہے ورنہ کہاں قطرہ اور کہاں قُلزم ؟ قطرے کا وجود عطائے قُلزم ہے اور قُلزم کا وجود ماورائے قطرہ ہے۔ ایک بیش بہا سمندر ہے علم کا۔ ایک شخص نے مرشد پاک حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی کہ " جب رمضان شروع ہوتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ سر پہ کوئی چیز آ کے بیٹھ جاتی ہے اور جب یہ ختم ہوتا ہے تو ایسے لگتا ہے کہ وہ چیز سر سے اُٹھ جاتی ہے۔" آپؒ نے فرمایا کہ ایسے ہی ہے۔ ایک اور روز فرمایا کہ "رمضان شریف کی راتیں جاگتی ہیں اور دن سوتے ہیں۔" ایک اور مرتبہ فرمایا کہ " ایک دور آیا جب میں روزے رکھتا ہی چلا گیا۔ پھر فرمایا کہ جب فاقہ کرنا شروع کیا تو فاقے ہی کرتا گیا۔ یہاں پہ اُن روزوں کی طرف اشارہ تھا جو رمضان شریف کے علاوہ بھی تھے۔ اپنی ایک محفل کی گفتگو کے دوران آپ نے فرمایا کہ " اگر کوئی یہ کہے کہ روزہ رکھنے سے صحت اچھی ہو جاتی ہے۔

تو اگر کسی شخص کا پیٹ روزہ رکھنے سے خراب ہو جائے تو پھر کیا کہو گے؟" یہاں پھر آپ نے یہ پیغام دیا کہ روزہ اس لیے رکھو کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس کے علاوہ توجیہات نہ ڈھونڈو۔ آپ کی محفل کی رُوداد کی ایک تصنیف گفتگو-2"" میں روزہ کے بارے میں ایک نہایت ہی لطیف نکتہ بیان فرمایا گیا ہے کہ "روزہ رکھنے سے دن بھر آپ فقیر بنے رہتے ہو، درویش بنے رہتے ہو یعنی یہ کہ آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے اور آپ کھانا نہیں کھاتے۔ کھانا موجود ہے لیکن نہیں کھاتے۔ خوراک موجود ہے لیکن نہیں کھاتے۔ "بس یہ فقیری ہوتی ہے۔" "فقیری کسے کہتے ہیں؟ "چیز حاصل ہو اور استعمال نہ ہو۔" واصف صاحب فرماتے ہیں کہ بڑی منزل کے مسافر کا دل چھوٹا نہیں ہوتا۔ جو انسان دور کی منزل حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں نہیں پڑتا۔ وہ درگزر اور معافی سے کام لیتا ہے۔ اس کے چہرے پر گرد لگتی ہے تو وہ اس کو صاف کرتا ہے۔ وہ گرتا ہے تو دوبارہ سے اٹھ کر اپنا سفر شروع کرتا ہے۔ وہ طعنوں پر مڑ کر نہیں دیکھتا، وہ تنقید کو نظر انداز کرتا ہے۔ وہ کسی بھی واقعے پر ردعمل نہیں بلکہ جواب دیتا ہے۔ اس کو اگر کسی انسان کا کوئی عمل برا لگے تو بجائے غصہ کرنے کے اس کو نرمی سے سمجھاتا ہے کہ آپ کا یہ عمل درست نہیں تھا، آپ اپنی اصلاح کر لیں۔ وہ جلد باز نہیں ہوتا بلکہ ہر معاملے میں تحمل سے کام لیتا ہے۔ وہ مقابلے میں نہیں پڑتا بلکہ دوسروں کو آگے بڑھانا چاہتا ہے۔ وہ اپنا دل بڑا کرتا ہے تو پھر کائنات بھی اس کے لیے وسیع ہو جاتی ہے اور وہ بڑے پُرسکون انداز میں زندگی گزارتا ہے۔

نومبر1992 کے وسط میں جب مرشد پاک حضرت واصف علی واصف رح کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو آپ کو لاہور کے میو ہسپتال کے ایک مخصوص پرائیویٹ حصے البرٹ وِکٹر ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ اس کو گورا ہسپتال بھی کہتے تھے کیونکہ پاکستان بننے سے پہلے یہاں انگریز داخل ہوا کرتے تھے۔ ان دنوں آپ کی طبیعت کافی خراب تھی، سارا دن غنودگی رہتی اور آپ کچھ بھی کھاتے پیتے نہیں تھے۔ان دنوں روزنامہ جنگ کے ایک کالم نگار اور معروف ادیب جناب مُنو بھائی نے اخبار میں اپنے کالم سے جو منظر کشی کی اس کا ایک اقتباس اس مانند تھا مجھے یہ حالت مراقبے کی سی لگی جیسے عبادت میں مصروف ہوں۔ واصف صاحب کے معمولاتِ زندگی کا کچھ علم مجھے بھی ہے۔

چنانچہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ نصف رات کے بعد صبح تین بجے کے قریب ان کی حالت کیا ہوتی ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ گزشتہ رات تین بجے بستر میں اُٹھ کے بیٹھ گئے اور کافی دیر آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ان کی تہجد کی نماز کا وقت ہوتا ہے جو انہوں نے کبھی کسی حالت میں قضا نہیں کی۔" کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ اس خاص وقت میں آپ داتا دربار چلے جاتے تھے اور صبح کے وقت لوٹتے۔ رات کے اس پہر کی سحر اندازی، سحر خیزی اور سحر انگیزی کے بارے آپ نے ایک مرتبہ اپنے ایک مضمون میں یوں فرمایا ہے۔ رات" کی تنہائی میں انسان کی آنکھ سے ٹپکنے والے آنسو زمانے بدل دیتے ہیں طوفانوں کا رُخ موڑ دیتے ہیں۔ آہ و فغانِ نیم شب کے سامنے کوئی مشکل مقام مشکل نہیں رہتا۔ ہر ناممکن، ممکن ہو جاتا ہے۔" یہ وہ آداب تھے، یہ سحر خیزی کے وہ باب تھے جو آپ سرکار رح نے شدید ترین علالت اور نقاہت کے باوجود بھی ہر گز ہر گز نہ چھوڑے۔ یہ جو آپ کا برسوں کا معمول تھا اس کے بارے میں آپ خود فرماتے ہیں کہ

نیم شب آہ و فغاں کے سامنے
مرحلے جتنے تھے آساں ہو گئے

ایک شخص نے مرشد پاک حضرت واصف علی واصف رح سے سوال کیا کہ آپ کی ہر بات میں تاثیر ہوتی ہے اور جب ہم وہی بات کسی سے کہیں تو کچھ بھی اثر نہیں ہوتا، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ اللہؐ کی طرف سے ہوتا ہے اور اُس کی مہربانی سے ہوتا ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ حضور غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی رح بیمار ہو گئے۔ کمزوری اتنی ہو گئی کہ آپ خطبہ ارشاد نہ فرما سکے۔ ایسے میں آپ نے اپنے صاحبزادے کو ہدایت کی کہ آج خطبہ تم دے دو۔ خطبہ شروع ہو گیا مگر لوگوں پر وہ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ حضور غوث پاک رح اس بات کو محسوس فرماتے رہے اور آخر کار خود تشریف لے آئے اور فرمایا؛ بات یہ ہے کہ آج طبیعت ذرا ناساز ہے۔ آپ کا اتنا فرمانا تھا کہ سارے مجمع میں تاثیر کی اک لہر دوڑ گئی، اور کئی لوگوں پر تو گریہ طاری ہو گیا۔" یہ وہ راز ہے جس کی وجہ سے اللہؐ والوں کی بات از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق ایک دل سے نکلتی ہے اور اگلے کے دل پہ جا لگتی ہے۔ آپ سرکار رح اس راز کے حامل تھے اور اس کے امین تھے۔ تبھی تو اُن کی بات روشنی اور خوشبو کی طرح اطراف میں پھیلتی بھی جا رہی ہے اور آج بھی تاثیر سے بھرپور ہے۔ آپ نے خود ہی فرمایا ہے کہ

دل کی گہرائیوں سے جب نکلے
پھیلتی جائے بات کی خوشبو

ان ہی کا قول ہے: "اس نے کہا کہ میں شہہ رگ کے قریب ہوں اور وہ اتنا قریب ہے کہ، ملتا نہیں ساری زندگی۔ شہہ رگ سے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی شہہ رگ میں سے دنیا کی ساری خواہشات کو نکال دو خودبخود اس کا ڈیرہ نظر آ جائے گا، پہچان ہو جائے گی۔ سکون کی بات دراصل یہ ہے کہ سکون کی تلاش اللہ کے فضل کی تلاش ہے اور اللہ ہی کی تلاش ہے۔"

حضرت واصف علی واصفؒ

(گفتگو 1/ صفحہ: 92، 93)

بڑھاپا کیا ہے؟

مقیتہ وسیم

بڑھاپے کو بہترین طریقہ سے سمجھنے کے لیے قرآن کی سورۃ العصر ہے۔ عصر ہر وقت کو نہیں کہتے۔ وقت کی بہت اقسام ہیں۔وقت عصر ہے۔ وہ وقت جب ہم غروب ہونے کے لئے چل پڑتے ہیں۔ وَالعَصْرِ۔ یاد رہے آیت جتنی مختصر ہو گی، معنوی اعتبار سے اتنا ہی وسیع مضمون اپنے اندر رکھتی ہو گی کیونکہ اللہ اپنے کلام میں جتنا اختصار کریں گے اتنی ہی چیز اہم ہو گی۔ اتنی ہی بڑی بات ہو گی۔ یہ اللہ کی پاک ذات کا اسلوب ہے، طریقہ ہے، اللہ جانتا ہے کہ وہ کتنا بڑا متکلم ہے اور اسے اپنے کلام پر انتہائی ناز ہے اور وہ اس کا بھرپور حق رکھتا ہے۔ اس لئے کبھی یہ خیال نہ کریں کہ وہ عصر کا ترجمہ یہ کرتا ہو گا کہ "زمانے کی قسم"۔ عصر اور العصر میں کافی فرق ہے جیسے فجر اور والفجر میں کافی فرق ہے۔ جیسے حمد اور الحمد میں فرق ہے۔ چلیں ایک لفظ کی جانب چلتے ہیں تاکہ بات شروع ہو۔ عَصَّارُ پھلوں اور بیجوں کا رس نکال کر بیچنے والے کو کہتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں اسے تیلی کہتے ہیں۔ سب سے پہلے سمجھ لیں کہ رس نکالنا کسے کہتے ہیں۔

یعنی کسی چیز سے اصل افادہ اٹھا چکنا اصل فائدہ اٹھا لینا اور بقیہ کوئی شے نہ رہے اور اگر کچھ بچ رہے تو بے قیمت ہو یا کم قیمت ہو جسے گنے کا رس نکالتے وقت صرف بھوسہ بچتا ہے رس ایک طرف ہو جاتا ہے اسی طرح ہماری زندگی کے عصر کے وقت میں عمل کی توانیاں ختم ہو چکی ہوتی ہیں اور بے معانی زندگی پیچھے بچتی ہے۔ جیسے سرسوں کے بیجوں سے تیل نکال کر پیچھے صرف کھل بچتی ہے۔ جس کی وہ قیمت نہیں ہوتی جو تیل یا بیج کی قیمت ہوتی ہے۔ شام ہونے سے قبل ایک وقت ایسا آتا ہے جب چرواہا واپسی کا قصد کرنے لگتا ہے اسے عصر کہتے ہیں۔ جب وہ اپنے اندر صرف اتنی طاقت رکھتا ہے کہ واپس جا سکے روشنی ختم ہونے تک۔ جب دن اختتام کے قریب ہو سورج ڈوبنے میں کم وقت رہ جائے اس وقت کو بھی عصر کہتے ہیں۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ قرآن کا اصل مخاطب انسان ہے اور دوسری آیت میں انسان کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ انسان کی زندگی کا بھی ایک عصر ہے جب اس کی جسمانی طاقتوں میں کمی واضع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

ہماری زندگیوں میں بھی ایسا وقت ہوتا ہے جب ہم جوانی گزار چکنے کے بعد سمجھتے ہیں کہ ہمارا بڑھاپا شروع ہو چکا ہے۔ عصر ایک ایسا وقت ہے جو تھکاوٹ کے احساس کو ساتھ رکھتا ہے۔ اسی لئے عصر کی نماز ایک اہم نماز سمجھی جاتی ہے جب واپسی کا قصد بھی ہو اور تھکاوٹ بھی ہو اور جلدی بھی ہو اور اللہ کے لئے جھکنا بھی ہو۔ ہماری زندگی کی ایک فجر ہوتی ہے ایک ظہر اور ایک عصر یعنی بچپن جوانی اور ایک ادھیڑ عمری اور پھر بڑھاپا یعنی غروب یعنی مغرب۔ مقصد یہ کہ زندگی، ہر دور سے گزرتی ہوئی بڑھاپے تک آتی ہے۔اور یہی اس کا حاصل ہے۔ اللہ ہمیں آخرت میں نور عطا کرے۔ ہمارا وقت عصر پچھتاوں کی زد میں نہ ہو۔ ہمیں ہماری صلاحیتوں کو بہترین طور پر بروئے کار لانے والا بنا دے اور یوسف کے رب! ہماری صلاحیتوں کے قدردان ہمیں نصیب فرما ہر مشکل آنے کے باوجود صبر اور استقامت سے فتح کی طرف راستے بنانے والے محمد کے رب! ہمیں اپنے راستے کے لئے چن لے۔ استقامت عطا کر دے۔ ہمارے لیے ہمارا بڑھاپا قابل قدر ہو اور دوسروں کے کے لیے نافع ہو۔ آمین!

بد دعا کا اثر

ستارہ منیر

بارہ میل کے گاؤں میں ایک علی نامی لڑکا رہتا تھا جو نہایت ہی شریر قسم کا لڑکا تھا۔ ہر وقت غلط حرکتیں کر کے بزرگ چھوٹے بڑے سب کو پریشان کرتا رہتا تھا۔ اپنے والدین کی نافرمانی کرتا تھا اس کے والدین اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے بہت پریشان رہتے تھے۔ آئے دن گلی محلوں سے شکایات آتی رہتی تھی۔ اس کی ماں ہمیشہ اس کو سمجھاتی کہ بیٹا اچھے کام کر کے سب سے دعائیں لیا کرو ناکہ غلط کام کر کے تم ان سے بد دعائیں لو، بد دعا سے بہت سے نقصانات ہو جاتے ہیں۔ لیکن علی ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا تھا۔ کہتا کہ کچھ نہیں ہوتا ایسے کسی کی بدعا سے۔ ایک دفعہ وہ سڑک پر جا رہا تھا کہا ایک بوڑھی عورت نظر آئی جس کے ہاتھ میں ایک کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائی ہوئی تھی گرمی کی وجہ سے پسینہ پسینہ اور ہانپ رہی تھی علی اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس کو فوری شرارت سوجھی کہ کیوں نا اس کو ذرا تنگ کرلوں یہ بیچاری میرے پیچھے بھاگ تو سکتی نہیں ہے۔

علی اس کے قریب آیا آہستہ آہستہ چلتا ہوا اور اسکے سر سے گٹھڑی چھین لی اور دور پھینک دی جیسے ہی وہ گٹھڑی گری تو اس کے اندر سے روٹی کے سوکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے گر کر بکھر گے۔ تو علی نے زور زور سے ہنسنا شروع کردیا بوڑھی عورت تیزی سے آگے بڑھی اور کہا بیٹا یہ مجھے واپس سمیٹ دو میرے بچے بھوکے ہیں گھر میں کچھ نہیں ہے تو علی نے اٹھا کر اور دور پھینک دیئے اور کہا جاؤ جاؤ خود کہیں اور سے اٹھا لو یہ تو لگتا ہے کہیں سے چوری کر کے آئی ہو۔ بوڑھی عورت نے روتے ہوئے منت کی کہ وہ زیادہ چل نہیں سکتی لیکن علی کے گرانے سے تمام روٹی کے ٹکڑے بکھر چکے تھے اور خود جلدی سے ایک طرف بھاگ گیا اور وہ بے بسی کے عالم میں گرے ہوئے ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھی اور بچوں کے فاقے یاد آئے اور غصے میں کہ دیا خدا تجھے غارت کرے تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تو بھاگ کر کھڑے دور علی نے زور زور سے ہنسنا شروع کردیا اور وہ بے بسی سے آگے بڑھ گی کہ آج پھر فاقہ کرنا پڑے گا۔

علی اپنے گھر کی طرف چل گیا گن گناتا ہوا کانوں میں ہینڈ فری لگائی ہوئی تھی اس کو احساس اس وقت ہوا جب وہ ایک تیز رفتار گاڑی کی ٹکر سے اڑ کر دور جا گرا۔ کانوں میں چلتے میوزک کی وجہ سے اسے ہارن نا سنائی دیا اور اس گاڑی کی ڈرائیور سے بریک فیل ہوچکی تھی۔ کچھ ہی دیر میں علی کو ہسپتال پہنچایا گیا ڈاکٹرز نے علاج کیا جب علی کو ہوش آیا تو وہ اپنے ہاتھوں سے محروم ہوچکا تھا اس وقت اس کو اپنی زیادتیاں یاد آئیں اور بوڑھی عورت کی بددعا اور زارو قطار رونے لگ گیا کہ کاش میں بد دعا سے ڈر جاتا اور میں ایسی حرکتیں نہیں کرتا جس کی مجھے آج سزا ملی ہے۔ اللہ سے معافی مانگ چکا تھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد آج وہ سڑک کے کنارے پر چل رہا تھا اور ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا دل میں آج بھی وہ ایک کسک تھی کہ کاش وہ بوڑھی عورت نظر آ جائے اور وہ اس کے قدموں میں گر معافی مانگ لے آج بھی اس کی بے بسی اور بے بسی میں ہلکا ہلکا آنکھوں میں تیرتا اس کو بے چین کر دیتا تھا اور وہ روٹی کے ٹکڑے جو اس نے بکھیرے تھے وہی اس کو دل میں چبھن کرتے تھے۔

جھوٹ

رابعہ ذوالفقار

ربیعہ لیپ ٹاپ پر کام کر رہی تھی۔ ہارون مسلسل شور کیے جا رہا تھا۔ منع کرنے کہ باوجود وہ بضد تھا۔ ابراہیم اس ساری صورت حال کا بغور مشاہدہ کر رہاتھا۔ وہ تنگ آ کرہارون سے مخاطب ہوا؛ "ہارون شور مت کرو ورنہ (کالی مائی) پکڑ لے گی۔ "ہارون مارے خوف کے بستر میں گھس گیا۔ کچھ دیر بعد اوسان بحال ہوئے۔ سہمے ہوئے لہجے میں کہنے لگا! آئندہ کبھی شور نہیں کروں گا۔ ربیعہ ابراہیم سے مخاطب ہوئی؛ ابراہیم! جھوٹ بولنا بری بات ہے۔ "ہمارے پیارے نبیﷺ نے فرمایا: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے دور چلے جاتے ہیں۔ (ترمذی:1972)

کیا تم چاہتے ہو فرشتے تم سے دور چلے جائیں؟ اوہ! حیرت کے مارے ابراہیم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "سوری خالہ جان! میں اس بات سے بالکل انجان تھا۔ آئندہ میری توبہ جو کسی سے بھی ایسا جھوٹ بولوں۔"

اس نے فوراً معذرت کی، آخر کار ابراہیم کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ ربیعہ مسکرا دی اور کہنے لگی اللہ سبحان وتعالی ہمیں جھوٹ بولنے سے بچائے اور پوری زندگی سچ بولنے کی توفیق اور دنیا آخرت میں سچوں کا ساتھ عطا فرمائے۔ آمین!

بیل فوبیا

فائزہ شہزاد

"بیل فوبیا، ڈور بیل اور فون بیل" دونوں کی ہی آواز مجھے بڑی بھیانک لگتی ہے۔ جیسے ہی دونوں میں سے کسی ایک کی آواز سنتی ہوں تو میرے ہاتھ، پاؤں لرزنا شروع ہو جاتے ہیں،بدل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے، ہاتھ، پیر پسینے سے تر بتر ہو جاتے ہیں مگر ہائے ری مجبوری! کہ دونوں کو دیکھے اور سنے بغیر گزارا بھی تو نہیں نا۔ آپ بھی حیران ہونگے کہ یہ "بیل فوبیا" بھی کوئی بیماری ہے کیا؟ تو جی ہاں! مجھے یہ بیماری ہے اور کافی عرصے سے ہے۔ یہ دونوں گھنٹیاں ہی کسی نا کسی طوفان کی آمد کا باعث ہوتی ہیں اور میں ٹھہری ہر کام کو اپنے موڈ اور مزاج کے مطابق کرنے والی۔ اب بھلا میں نے اتنی ڈگریاں اس لئے تھوڑی لی تھیں کہ سارا دن گھر کے کام ماسیوں کی طرح کرتی رہوں اور جب یہ نعرہ سنا "غلامی نامنظور" تو بس میرے تو دل کی گویا مراد بر آئی اور اس بات پر عمل کرتے ہوئے ہر کام اپنی مرضی و منشاء کے مطابق ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کرتی ہوں تاکہ سب گھر والوں پر میری دھاک بیٹھی رہے اور کوئی کچھ بول نا سکے۔

میرا پسندیدہ مشغلہ صرف اور صرف تمام چینلز کے سازشی ڈرامے دیکھنا اور نت نئے فیشن کرنا ہی ٹھہرا، گھر کے کاموں سے میری جان جاتی اور یہ ہی سوچ کر کہ گھر ہے کوئی تھانہ تھوڑی ہے؟ ہو جائیں گے یہ کام بھی۔ مگر گھر سے باہر میری ایک الگ ہی شخصیت ہے لوگ میری شاندار پرسنالٹی سے متاثر ہوتے ہیں جس محفل میں بھی چلی جاؤں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہوں۔ اپنی شگفتہ،چنچل اور باغ و بہار جیسی شخصیت کی وجہ سے ہر کوئی گرویدہ ہوجاتا (بلکہ ایک، دوبار تو ٹی وی کے مشہور زمانہ پروڈیوسر ایسے فدا ہوئے کہ اپنی سیریل کی ہیروئن کے لئے ہی پیچھے پڑ گئے مگر میرا موڈ نا بنا کہ مجھے اپنی نیند بہت پیاری تھی اور دوسرا کسی کی مرضی سے مجھے کام کرنے کی عادت ہی نا تھی) گھر والے خاص کر "ساسو ماں" اور "میاں جی" کہہ کہہ کر تھک گئے کہ جتنا سلیقہ، جتنی خوش اخلاقی گھر سے باہر دکھاتی ہو کبھی بھولے سے گھر میں ہمیں بھی دکھا دو مگر میں نے ہمیشہ ہی اس کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا کہ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔

دو، چار تعریفی جملوں کی خاطر اپنی جان کو مشکل میں ڈالوں شائد یہ گانا میرے لئے ہی لکھا گیا تھا کہ "ہم تو بھئ جیسے ہیں ایسے رہیں گے"۔ جب بھی کسی نے گھر آنے کو کہا میں نے ہر بار بڑی خوبصورتی سے کوئ نا کوئ بہانہ بنا کر ٹال دیا (بھلا کون اتنی محنت کرے کوئی بے وقوف تھوڑی ہوں) مگر وہ کہتے ہیں نا "بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی" تو بس کچھ ایسا ہی پھر وہ ہوگیا جو کبھی سوچا بھی نا تھا۔ میں بڑے آرام سے بیٹھی اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھ رہی تھی جس میں ساس، بہو کی سازشیں عروج پر تھیں کہ اتنے میں اطلاع گھنٹی چیخ اٹھی! سخت ناگوار گزرا، میں سنی ان سنی کئے بیٹھی رہی اسی اثناء میں فون کی گھنٹی بھی بول اٹھی، جب دونوں ہی خاموش نا ہوئیں تو چار و ناچار اٹھنا پڑا، فون اٹھایا تو دوسری طرف سے آواز سن کر گویا" ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے" ہمارے کلب کی سینئر ممبر مسز جمیل اور مسز نادر باہر کھڑی تھیں اور گیٹ کھولنے کو کہہ رہی تھیں اور میں حق دق کبھی گیٹ کو اور کبھی لاونج کو دیکھ رہی تھی۔ صوفوں پر دھلے کپڑوں کا ڈھیر، ٹیبل پر کھانے کے جھوٹے برتن، زمین پر ایک کونے جوتوں کا ڈھیر، ایکسر سائز والی سائیکل پر لٹکتے رنگ برنگے تولیے (گویا کسی حجام کی دکان ہو) فٹافٹ سارا پھیلاوا سمیٹنے کی کوشش میں، میں حال و بے حال ہوگئ ابھی سب کچھ اٹھا بھی نا پائ تھی کہ میاں جی گیٹ کھول کر ان کو لئے اندر آگئے اور میرے تو گویا" کاٹو تو بدن میں لہو نہیں" میں اپنے چہرے پر مصنوعی تبسم سجائے، بے جان سا اپنا وجود لئے آگے بڑھی مگر وہ دونوں فورا پیچھے ایسے بدک کر ہٹیں گویا میں کوئ خون آشام بلا ہوں جو ان کا خون چوسنے والی ہوں (جبکہ اس وقت وہ دونوں مجھے خون چوسنے والی بلایئں لگ رہی تھیں) میں نے مسکراتے ہوئے کہا آیئے! آیئے! آج تو ہماری عید ہوگئ مگر مسز جمیل نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا! چلئے مسز نادر! چلیں ہم شائد کسی غلط گھر میں آگئے ہیں کہاں وہ نفاست و خوبصورتی کی ملکہ اور کہاں یہ؟ اف توبہ! توبہ! اور دونوں نے یوں دوڑ لگائ کہ جیسے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا تو پتھر کی ہو جایئں گی اور میرے میاں جی مسکراتے ہوئے، میرے دل کو جلاتے ہوئے اونچا اونچا گنگناتے ہوئے (ہم تو بھئ جیسے ہیں ایسے رہیں گے) باہر نکل گئے۔ وہ دن اور آج کا دن دونوں گھنٹیوں کی آواز پر میں لرز جاتی ہوں، کانپ جاتی ہوں اور اکثر اوقات تو شوگر لیول کم ہونے کے باعث بیہوش ہو جاتی ہوں۔

جوپیٹر (مشتری) دیوقامت سیارہ

فائزہ شہزاد

جوپیٹر جسے اردو میں "مشتری" کہا جاتا ہے۔ یہ ایک دیو قامت سیارہ ہے جو اپنے دیگر سیاروں کی نسبت بہت بڑا ہے۔ یہ ہماری زمین سے 284 ٹریلین کلومیٹر دور دکھائی دیتا ہے اسکی شکل ہماری کہکشاں میں پائے جانے والے سیاروں کی اکثریت جیسی ہے۔ جسے "M type" کہا جاتا ہے۔جس ستارے کے گرد یہ سیارہ گھومتا ہے اس کا حجم مذکورہ سیارے سے 270 گنا ہے۔ جوکہ بہت کم ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سورج اپنے گرد چکر لگانے والے سب سے بڑے سیارے مشتری سے بھی 1050 گنا بڑا ہے۔ یہ ہمارے نظام شمسی کا سب سے بڑا سیارہ ہے۔ یہ اتنا بڑا ہے کہ نظام شمسی کے تمام سیارے اس کے اندر پورے آسکتے ہیں۔ یہ ایک گیس جائنٹ یعنی گیس کا بنا ہوا بہت بڑا سیارہ ہےاسے گیس کا بہت بڑا گولہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ سیارہ مشتری زمین سے 11 گنا زیادہ چوڑا ہےاور ایک ہزار سے بھی زائد زمینیں اس کے اندر پوری آسکتی ہیں۔ اس کی کمیت ہماری زمین سے تین سو گنا زیادہ ہے اگرچہ یہ بہت بڑا ہے۔

لیکن پھر بھی اس کی محوری گردش کی رفتار تمام سیاروں میں سب سے زیادہ ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس کی گردشی رفتار بہت سست یا کم ہوتی مگر اللہ پاک کی قدرت دیکھیے کہ اتنا بڑا دیو قامت جسم ہے اور گردشی رفتار سب سے زیادہ ہے مشتری پر ایک دن تقریبا دس گھنٹے کا ہوتا ہے۔ اگر چہ یہ سورج سے آٹھ سو ملین دور چکر لگاتا ہے لیکن پھر بھی رات کے وقت آسمان میں سب سے زیادہ چمکنے والا سیارہ ہےاس کو دوربین یا چھوٹے ٹیلی سکوپ سے باآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کا مرکز پتھروں اور دھاتوں سے مل کر بنا ہے۔ لیکن سائنس دان اس بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں دے سکتے کیونکہ مشتری کے مرکز کے بارے میں جاننا بہت مشکل ہے۔ ابھی یہ حتمی نہیں کہ مشتری کا مرکز موجود ہے مشتری ستارہ نہیں سیارہ ہے۔ مگر ایک عجیب خصوصیت یا دلچسپ خصوصیت کہہ لیں کہ یہ جتنی حرارت سورج سے حاصل کرتا ہے اس سے زیادہ یہ خلاء میں حرارت بکھیرتا ہے زمین اور دیگر پتھریلے سیارے ایک ایکویلبریم قائم کئے ہوئے ہیں وہ اتنی ہی گرمی نکالتے ہیں جتنی وہ حاصل کرتے ہیں۔

لیکن جوپیٹر ان سب سے مختلف ہے اس کی مقناطیسی فیلڈ بہت طاقتور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر دھاتی ہائیڈروجن موجود ہے اور دوسرا اس کا تیزی سے محور کے گرد گردش کرنا۔ مشتری کی سطح پر نظر آنے والا ایک بڑا سرخ دھبہ ایک بہت بڑا طوفان ہے یہ ہماری زمین سے بھی بہت بڑا ہے جس میں ہوائیں تقریبا 500 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہیں۔ اس پر مزید 12 نئے چاند دریافت کئے گئے ہیں۔ پہلے 67 تھے اب کل 79 چاند ہوگئے ہیں۔ یہ سب سے زیادہ چاند رکھنے والا سیارہ ہے۔ ماہرین کے اندازے کے مطابق یہ چاند اسی مادے سے بنے ہیں جن سے یہ سیارہ تخلیق ہوا ہے۔ جو ٹکڑے سیارے کے ساتھ جڑنے سے رہ گئےوہ چاند کی صورتوں میں اس کے گرد گھوم رہے ہیں مشتری یا جوپیٹر کی تاریخ بہت قدیم ہے یہ 4.6 ملین پرانا ہے اسے "گیلیلو گیلیلی" نے 7 جنوری 1610 میں دریافت کیا اور اس کا نام رومن دیوتاوں کے نام پر جوپیٹر رکھا گیا۔ خلائی مہم جوئی کا ادارہ "ناسا" مسلسل اس پر تحقیقات و مشاہدات کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لئے ناسا نے خلائی جہاز اکتوبر 2023 میں خلا میں بھیجا ہے جس کا نام "لوسی" ہے۔

یہ مشن جوپیٹر کے گرد گردش کرنے والے سیارچوں کے مجموعے یا کلسٹر کے بارے میں معلومات اکٹھی کرے گا اس کلسٹر کو ٹروجن کا نام دیا گیا ہے اس جہاز کو اٹلس فائیو راکٹ کے ذریعے خلاء میں بھیجا گیا ہے "لوسی" نامی خلائی جہاز کا سفر اگر بغیر کسی حادثے یا تکنیکی خامی کے چلتا رہا تو اسے کم از کم بارہ (12) سال کا عرصہ درکار ہو گا اور یہ مشن مکمل کر پائے گا ابتک کی خلائی مہموں میں "لوسی" پہلا خلائی جہاز ہے جو ایک مشن میں سب سے زیادہ فلکیاتی اجسام کے بارے میں معلومات اکٹھی کرے گا اور شمسی توانائی استعمال کرنے والا پہلا خلائی جہاز بھی ہو گا جو نظام شمسی میں اتنی دور کی منزل تک پہنچے گا اللہ کرے کہ یہ مشن اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے اور اس کے ذریعے سے ہم تک مزید معلومات پہنچ سکیں اور یہ یقینا ناسا کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ قرآن پاک میں انسانوں کو زمین کی تہہ اور آسمان (خلاء) کو تسخیر کرنے، جانچنے اور کھوجنے کا کہا گیا ہے، غور و فکر اور تدبر کرنے کو کہا گیا ہے۔ جو وہ اللہ پاک کی مدد سے انجام دے رہا ہے۔ یہ سب پڑھتے لکھتے ہوئے بار بار یہ ذہن میں گونج رہا ہے۔ "کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے وہ ہی خدا ہے، وہ ہی خدا ہے"

اللہ کی رضا

سحر فاطمہ امانی

سنو! پیاری اٹھو۔ ذرا اٹھ کر بیٹھو۔ رونا بند کرو، کیا تم اتنی کمزور ہو گئی ہو کہ چھوٹی چھوٹی بات پر رونے لگ جاؤ۔ چلو شاباش آنکھیں صاف کرو۔ اتنی خوبصورت آنکھیں کبھی کسی کے لیے نہیں خراب کرتے۔ جسے نہ تم جانتی ہو نہ ہی وہ تمہیں۔ تمہیں معلوم ہے نا ہمیں اللہ کو جا کر اس کی ہر نعمت کا استعمال بتانا ہے، کیسے کیا؟ بلکہ ہمارے ہر عضو نے خود بتانا ہے کہ اس نے مجھے کن کاموں میں استعمال کیا۔ تو کیا تم جا کر یہ بتاؤ گی کہ تم نے کسی کے لیے بلا وجہ آنسو بہائے۔ اٹھو اور منہ دھو کر آؤ۔ پھر ہم اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں۔

چند لمحوں بعد چہرہ دھل کر شفاف تو ہو چکا تھا۔ لیکن آنکھوں کی سرخی اچھی نہیں لگ رہی تھی مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ختم ہونے میں وقت لگنا تھا۔ مگر جو سرخ سیاہی اس کی اس پیاری شہزادی کے دل و دماغ کو ابتر کر رہی تھی۔ اسے ختم کرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی باقی دلوں کے زنگ تو صرف اللہ ہی دور کر سکتا ہے۔ ہاں جی تو اب بتاؤ کیا ایسے کسی کے لیے آنسو بہانا تمھیں زیب دیتا ہے؟

شہزادی! آپی میں ہر دعا میں خود کے لیے صبر مانگتی ہوں۔ جانتی ہیں آپ آج میں اس لیے نہیں روئی کہ وہ میرا نہیں ہوا۔ بلکہ مجھے خوف آ رہا تھا۔ وہاں اس کی بیوی کو مردہ حالت میں دیکھ کر۔ مجھے اس کے شیر خوار بچے کے بلکنے سے تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے تو اس کی شادی کے بعد راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ سے اپنے لیے صبر اور اسکی دائمی خوشی مانگی تھی۔ پھر یہ کیوں ہوا وہ اس طرح خالی ہاتھ اور بے بس آنکھوں میں کیوں دکھائی دیا۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں میری پانچ سال پہلے مانگی دعائیں اسے بد دعا بن کر تو نہیں لگ گئیں۔ آپی خدا گواہ ہے کہ جب مجھے اسکی شادی کا علم ہوا۔ میں نے تب سے ایک دفعہ بھی خدا سے اسکو پانے کی دعا نہیں مانگی۔ میں نے اسکی خوشیاں مانگی تھیں حفصہ آپی۔ تو پھر کیوں اس کے ساتھ ایسا ہوا میری دعائیں کیوں پوری نہیں ہوتی ہیں۔ (وہ روہانسی ہوئی)

حفصہ: تمہارے بولتے ہوئے میں نے ایک دفعہ بھی نہیں روکا تمہیں۔ اب تم نے مجھے سننا ہے اور درمیان میں بات کو نہیں کاٹنا۔ شہزادی: جی آپی۔

حفصہ: پہلی بات تو تمہیں ایک محبوب کے سامنے جھک کر دوسرے محبوب کو مانگنے کی دعائیں نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ بھی کسی نا محرم کے لیے۔ (اس کا دل لرزا تھا یہ کیا کر رہی تھی وہ) ایسے مت دیکھو مجھے۔ تمہیں پتا اللہ بہت غیرت والا ہے۔ وہ کبھی اپنے بندوں کی دی ہوئی چیزوں کو سنبھال کر نہیں رکھ لیتا بلکہ دوگنا عطا کر دیتا ہے۔ اگر وہی چیز اس کے حق میں بہتر نہ ہو تو نیکیوں کے عوض بدل دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے ناں، کہ مجھے دو گے تو دوگنا ملے گا۔ میرے بندوں پر میرے لیے خرچ کرو گے تو بھی دوگنا عطا کروں گا۔ تو تم نے اس کی رضا کیوں نہیں مانگی۔ اگر تمہیں دعا مانگنی تھی تو اس کی رضا مانگنی تھی ناں چندا۔ اب یہ مت دیکھو کہ محبت اللہ دل میں ڈالتا۔ اگر ایسا ہے تو اسے دیکھنے سے پہلے تمہیں اس سے محبت کیوں نہیں ہوئی۔ تمہاری نظر اٹھی اور تم پر قیامت ڈھا دی گئی۔ تم نے اسے آزمائش سمجھ کر اللہ کی پناہ کیوں نہیں مانگی۔ تم نے غلطی کی تھی کیا تمہیں سورہ نور کی آیت یاد نہیں۔

اللہ قرآن میں عورتوں سے فرماتا ہے

"وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ"

ترجمہ: "مومن عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"۔

دیکھو تم یہ مومن عورتوں کے لیے تھا۔ ہم نے خود کو مومن کیسے ثابت کرنا ہوتا۔ قرآن پر عمل کر کے نا۔ تم پر یہ آزمائش پتا کیوں آئی؟ (وہ سانس روکے سن رہی تھی) کیونکہ تم بہت نیک اور پاکیزہ لڑکی ہو۔ تمہاری تہجد صرف اس کے لیے تھی۔ تم نگاہیں نیچے رکھ کر بات کرتی تھی۔ مگر تم نے اس کے لیے نظریں اٹھائیں تو پھر وہیں تم احکامات کو ماننے کے دائرے سے باہر آ گئی۔ تم نے ایک غلطی کر کے بس نہیں کی۔ تمہیں یاد ہے نا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "اگر غلطی سے پڑ جائے نظر تو فوراً چہرہ موڑ لو" لیکن تم نے تو ایک اور غلطی کی۔ تم اس نا محرم کو اپنی دعاؤں تک لے آئی۔ میں جانتی ہوں یہ بھی اسی نے کہا کہ جو چاہیے مجھ سے مانگو پر میری جان تم یہ بھی تو سوچو تم نے غلطی کی معافی نہیں مانگی۔ تم کہتی اللہ سے کہ دوبارہ نہیں ہو گا ابھی معاف کر دیں اور پھر وہ کہیں دکھائی بھی دیتا تو نظریں خود بہ خود جھکا لیتی۔ ایسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی نہ جیسے آج تم دیکھ رہی تھی۔ (اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا مطلب غلطی تسلیم ہو گئی تھی) شہزادی: آپی بس مجھے سمجھ آ گیا ہے اس سے آگے نہ بولیں۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔ مجھے لگ رہا میں تپتی ریت پر آ گئی ہوں۔ مجھے پتا ہے چھاؤں کیسے ملے گی۔ کیا آپ ایک کام کر دیں گی میرا؟

حفصہ: ہاں جی بولو ایک نہیں سو کام بولو۔
شہزادی: آپ امی سے کہ دیں وہ جہاں چاہیں میری شادی کر دیں۔
میں غلطی پر غلطی کرتی جا رہی تھی آپی۔ بجائے پہلی مرتبہ ہی معافی مانگ لینے کے۔ میری محبت (وہ ایک لمحہ کو رکی تھی پھر گویا ہوئی) نہیں میری ایک آزمائش مجھے خدا کے سامنے مزید غلطیاں کروا رہی تھی۔ میں دوسروں کے لیے ازیت بن رہی تھی۔ مجھے اپنی غلطی سدھارنی ہے۔ آپ مدد کر دیں نا میری۔ حفصہ: کیوں نہیں چندا۔ تم نے تسلیم کر لیا اور سر جھکا لیا۔ تمہیں پتا تم اب اللہ کے سامنے جھک کر نہ بھی کہو تو اسے پتا چل گیا ہے کہ تم اپنی غلطی پر شرمندہ ہو۔ وہ تو شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ وہ پھر سے تمہیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ وقت کا کام ہے گزرنا اور اس دن کو بھی آج چھ مہینے گزر گئے تھے۔ اس دن سے شازمہ نور اپنے رب کا نور مانگ رہی تھی۔ اس کی رضا کے لیے ہاتھ اٹھا رہی تھی۔ گھر میں اس کی شادی کی بات ہو رہی تھی مگر اس نے خاص کان نہ دھرے تھے۔ اسے اپنے خدا پر بھروسہ تھا۔ اسکی رحمت کا یقین تھا کہ وہ اس کے لیے بہترین منتخب کرے گا۔ نکاح کے وقت اس کے تایا کے الفاظ اس کے کانوں میں ایک دھیمے خوش نما ساز محسوس ہوے تھے۔ بے یقینی چہرے سے عیاں تھی۔

مبارکباد کا شور تھا اور اس نے جیسے ہی گھونگٹ کی آڑ میں اپنی بہن اپنی خیر خواہ حفصہ نور کو دیکھا تو اس کی مسکراہٹ سے پزل ہو کر سر جھکا لیا۔ خواتین کا رش ختم ہوتے ہی اس نے وہ سوال دہرا دیا جس اسے پریشان کر رہا تھا۔ یہ کیا ہے آپی؟
حفصہ: اللہ کی رضا ہے یہ چندا۔ کہا تھا نہ اسے دو تو واپسی پر وہ بھی بہترین سے نوازتا ہے۔ تم نے اسے اللہ کی مرضی اور اپنی غلطی جیسے ہی تسلیم کیا تو اللہ نے بھی تمہاری معافی کا مان رکھ لیا۔ مگر سنو جب کچھ بہت اچھا عطا ہو تو دل بھی بڑا رکھنا چاہیے۔ سلدان کے بیٹے کو ممتا کا پیار دینا۔ صرف ایک ماں اپنا بیٹا تمہارے حوالے نہیں کر رہی ہے بلکہ ایک بیٹا بھی اپنا باپ تمہارے سپرد کر رہا ہے۔ تم بھی خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرنا۔ شفقت اور محبت سے کام لینا۔ اب معافی کے لیے نہیں شکر کے لیے ہاتھ بلند کرنا۔ اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے سکون کے احساس سے آنکھیں موند لی تھیں۔ اسے سب مل گیا تھا معافی سکون اور محبت بھی لیکن وہ جانتی تھی۔ اس نے خود کو اپنے اللہ کے سپرد جب کیا تھا تو اس محبت کو بھی کر دیا تھا دوبارہ زبان پر شکوہ تو کیا اس کا نام بھی نہ لیا تھا۔ مگر وہ واقعی مہربان ہے۔ ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرنے والا کیسے اس کے دل کی دُنیا کو بے آباد رہنے دیتا۔ مُسکراہٹ نے اس کے چہرہ پر رقص کرنا شروع کر دیا تھا۔

یقین کا سفر

زعیمہ روشن

"دیکھو! تم سرجری کروا لو مجھے یقین ہے اپنے اللہ پر وہ ہم دونوں کو کبھی دور نہیں کرے گا تم جلد صحت یاب ہو گی ان شاءاللہ۔ راحیل نے رباب کو پیار سے سمجھانے کی کوشش کی جو اپنی اوپن ہارٹ سرجری کروانے کے لیے قطعی راضی نہیں ہو رہی تھی۔ "راحیل اور رباب کی شادی کو پورے 7 سال بیت گے تھے۔ انکے ہاں اولاد نہیں تھی۔ ان دونوں کو تھوڑے ہی عرصے میں یہ کمی بہت محسوس ہونے لگی تھی۔

سوچ سوچ کے رباب اکثر ڈیپریشن میں چلی جاتی اور اسی طرح بہت زیادہ ٹینشن لینے کی وجہ سے اسے ایک دن دل کی شدید تکلیف ہوئی اور اس کا سانس پھولنے لگا۔ (Ecg) اور ای کو کروانے کے بعد پتا چلا اسکے دل کے وال بند ہیں۔ ڈاکٹر نے فوراً سرجری کا مشورہ دیا۔ رباب نے رو رو کے برا حال کردیا تھا۔ راحیل خود بھی پریشان تھا لیکن اسے حوصلہ دیتا۔ 'ہو' گئی اولاد؟ کتنی بار سمجھاتا تھا اللہ کے کاموں میں ہاتھ مت ڈالو ہر وقت کی ٹینشن رونا دھونا انجام دیکھ لیا۔

راحیل کے ڈانٹنے پر وہ بے اختیار ہو کر رو پڑھی راحیل کو احساس ہوا وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا۔ پاس آہ کر دلاسہ دیا اور اس کے آنسو پونچھے، مجھے صرف تم چاہیے اور کچھ نہیں۔

کیا ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے کافی نہیں کیا؟ راحیل کے استفسار پر اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور سر ہلایا تو پھر آئندہ کبھی بھی اس ٹاپک پر بات نہیں سنو گا۔ میں نے تمہاری سرجری کی ڈیٹ لے لی ہے بس اپنی صحت پر توجہ دو۔"

"اس کی سرجری کامیاب ہو گئی تھی۔ راحیل کی فیملی میں تو کوئی نہیں تھا اسکے والدین کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ راحیل کو رباب کے والد (چچا) نے ہی پالا تھا۔ شادی کے بعد اسے وہاں رہنا مناسب نہیں لگا تھا اس لیے الگ گھر میں رہ رہے تھے دونوں۔ رباب کو ہاسپٹل سے گھر لے کے آئے تو اسکی والدہ اور چھوٹی بہن، اسکے پاس رہنے آگئے تھے۔ سب نے اس کا بہت خیال رکھا تھا خاص کر راحیل نے سب کی محنت ہی تھی جو وہ بالکل نارمل ہو گئی تھی۔"

"7 سال بعد"

'راحیل' 6 سالہ راہمہ کو گود میں لٹائے سٹوری سنا رہا تھا۔

رباب کمرے میں داخل ہوئی تو راحیل چپ ہو گیا۔

"بابا! پیل کا ہوا؟ (پھر کیا ہوا) راہمہ اپنے چھوٹے، چھوٹے ہاتھوں سے راحیل کا منہ ہلا،ہلا کر متوجہ کروا رہی تھی۔

"پھر! پھر آپکی ماما روز روتی تھی کے میری راہمہ کب آئے گی؟ کب آئے گی" پھر میں نے آپ کی ماما کو بہت ڈانٹا کے رونا نہیں راہمہ ضرور آئے گی۔

"راہمہ اپنے بابا کی سٹوری سن کے پیاری سی ہنسی ہنس دی۔

خدا کے ہر کر کام میں کچھ نا کچھ مصلحت ضرور ہوتی ہے۔

خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ اس محاورے کی رباب کو آج سہی معنوں میں سمجھ آئی تھی۔ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی خدا نے اسے اولاد جیسی نعمت سے نوازا تھا۔ آج زندگی کے اس یقین کے سفر کو اس نے پایا تھا جو اس نے خواب دیکھا تھا وہ سچ ہو گیا تھا اس کے شوہر کا یقین جیت گیا تھا۔"

ادھورا لمس

آمنہ راجپوت

"تمہیں پتہ ہے ماہر! ڈاکٹر نے مجھے کیا بتایا ہے؟ مجھے کیا پتا بولو گی تو پتا چلے گا"۔ ڈاکٹر نے بتایا ہے ہمارے گھر خوشی خبری ہے! "نمرہ خوش ہو کر ماہر کو خوشخبری سنا رہی تھی، ماہر کو ابھی چھ دن ہوے تھے اٹلی میں گئے جاتے ساتھ ہی اس کی جاب ہو گئی تھی۔ ماہر بڑے پیار سے نمرہ سے فون پر بات کر رہا تھا اس کو خوشی سے اب انتظار نہیں ہو رہ تھا۔

ماہر کام سے واپس آ کے تھکا ہارا سب سے پہلے اپنے گھر ہی کال لگاتا تھا اور اپنے بیوی اور ماں باپ کی خیر خبر لیتا تھا، "یار! تم نے بولا تھا کہ تم آجاؤ گے لیکن ابھی تک تم نہیں آئے؟ میں تمھارا انتظار کر رہی ہوں، دیکھ میں چاہتی ہوں کہ تم میرے پاس رہو" نمرہ ماہر سے فرمائش کر رہی تھی" میں آجاؤں گا نمو میں جلدی آ جاؤ گا بس چھٹی مل جائے۔ ایسی باتوں میں راتیں گزرتی رہیں۔ "ماشاءاللہ نمرہ کے ہاں بچی ہوئی ہے مٹھائی کھلاؤ دس سال بعد اس آنگن میں پھول آگیا ہے"۔ دائی نگینہ نمرہ کی ساس کو خوشخبری سنا رہی تھی، "کیوں نہیں مٹھائی بھی دوں گی اور تجھے ایک سوٹ بھی دوں گی کیا یاد کرو گی۔

نمرہ کی ساس خوش ہو رہی تھی، ماہر کو فون کر کے اس کی ماں نے بتایا کہ اس کے ہاں بچی ہوئی ہے،اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، "میری نمرہ سے بات کرادو" ماہر بہت خوش تھا، تم جو مانگو دو گا" میں تم سے کچھ نہیں مانگتی ماہر میں تو بس تمہارا ساتھ مانگتی ہوں اور اب بس چھٹی لے کے آجاؤ۔ اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں میں جھولا دو" ماہر خوشی سے پھولے نہیں سمارہا تھا اسے سمجھ نہیں آرہا تھا بازار میں سے کیا کیا لے کے جائے۔ اس کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوئی تھی۔اسے لگا کہ جیسے چانداس کے آنگن میں اتر آیا ہے۔اسے جا کر پیار کرنا چاہتا تھا۔ماہر اپنی بیٹی کے پاس پہنچ جائے سٹیشن سے اتر کر اس کی دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی کیا آج وہ اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھائے گا شادی کے دس سال بعد یہ تحفہ اسے ملا تھا یونہی سوچوں میں گم تھا کیا اچانک تیز رفتار کار اس کو کچل کر جا چکی تھی۔ خون میں لپٹا سڑک پر پڑا تھا، اتنے میں لوگوں کا ہجوم جما ہوا اور اسے قریبی ہسپتال لے گے مگر وہ راستے میں دم توڑ چکا تھا۔ ماہر کے ماں باپ کا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا وہ اپنے جوان بیٹے کی لاش دیکھ کر سکتے میں آ گے، ماہر کی خواہش دل میں رہ گی اپنی بیٹی کو چھو بھی نہ سکا اس کا لمس ادھورا رہ گیا۔

محمد حسن مختار

"اور اللہ تعالیٰ بے حیاء، بدزبان سے نفرت کرتا ہے" (جامع الترمذی)
لوگوں کے دلوں کو جیتنے کا سب سے آسان طریقہ میٹھا بول ہے۔ انسان کی شخصیت کا اندازہ اس کی بول چال سے لگایا جاتا ہے۔ وہ کس طرح بات کرتا ہے، سامنے والے سے کیسے پیش آتا ہے اور کس لہجے میں بات کرتا ہے یہ تمام چیزیں انسان کی شخصیت پر گہرا اثر رکھتی ہیں۔
شخصیت سازی(Personality Development) پر اس صدی میں بہت کام ہو رہا ہے۔ آج شخصیت سازی ایک مکمل انڈسٹری بن چکی ہے اس پر کورس اور سیشن کروائے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر ڈھیروں کتابیں بھی لکھی جاچکی ہیں۔ شخصیت سازی میں سب سے اہم چیز آپ کا لباس نہیں بلکہ آپ کے الفاظ ہوتے ہیں۔ میٹھے بول مقناطیس کی طرح لوگوں کو اپنی جانب کھینچ لیتے ہیں۔
اس کے برعکس بدزبانی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔ بدزبان شخص کو معاشرے میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا لوگ ایسے شخص سے دور بھاگتے ہیں۔

بات بات پر گالی نکالنا، دوسروں کو برے القابات سے پکارنا، غیبت و بہتان وغیرہ بدزبانی میں آتے ہیں۔ اس سے انسان کی شخصیت تباہ ہو جاتی ہے۔ بد زبانی ایک مصیبت ہے۔
لڑائی جھگڑوں کی بنیاد بری زبان ہے اور امن کی ابتداء اچھی زبان سے ہوتی ہے۔
ہمیشہ اچھا بولا جائے اور اگر بولنے کے لیے کچھ نہ ہو تو خاموش رہا جائے۔ آج صرف "بول چال" کے موضوع پر کئی کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ جن میں How To Win Friends And Influence People بہت مشہور کتاب ہے۔ اس کے علاوہ 'How To Talk ' The Communication Book , How to Become People Magnet , جیسی کتابیں بھی نظر سی گزری ہیں جنھیں اس سال پڑھنے کا ارادہ ہے۔
ان تمام کتابوں کا نچوڑ یہی نکلتا ہے کہ اچھا بولا جائے یا خاموش رہا جائے۔ ایسی بات کبھی نہ کی جائے جس کا فائدہ کسی کو نہ پہنچ رہا ہو۔ اگر آپ اپنی شخصیت کو چار چاند لگانا چاہتے ہیں تو بدزبانی سے پرہیز کریں۔

مختصر اور اچھی بات کرنا ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔
کسی نے حکیم لقمان سے کہا آپ فلاں خاندان کے غلام نہ تھے۔ فرمایا ہاں میں تھا، پھر لوگوں نے پوچھا کس چیز نے آپ کو اس مرتبے تک پہنچادیا۔
فرمایا:
1: راست گوئی سے۔
2: امانت میں خیانت نہ کرنے کی جہ سے۔
3: ایسی گفتگو اور ایسے عمل کے ترک کرنے سے جس سے مجھے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔
4: جن چیزوں کو خدا نے مجھ پر حرام کر دیا ہے ان کی طرف آنکھ بند کر لینے سے۔
5: لغو باتوں سے اپنی زبان روکنے سے۔
حلال روزی کھانے سے میں اس درجہ تک پہنچا۔

قرآن اور اس کے ساتھ ہمارا رویہ

عمیمہ عبد الرشید

آپ نے سورۃ کہف کی تفسیر ہے؟ اس میں اللہ جی یاجوج ماجوج کے فتنے کی کس قدر وضاحت فرماتے رہے ہیں یہ سب کس لیے؟ یہ ہمیں بتانے کے لیے کہ تمہیں اپنے سسرال والے بہت بڑا فتنہ لگتے ہیں تمہیں انکے مظالم عظیم لگتے ہیں؟ نہیں، یہ تو کچھ بھی نہیں ہیں ابھی تو تمہیں ایمان کی آزمائش میں ڈالا گیا ہے مگر آگے تمہاری جانوں کی آزمائش ہوگی آگے وہ فتنہ آئے گا جنکا مقابلہ کرتے ہوئے عیسیٰؑ بھی ڈریں گے، ہم نے دنیا اور اس کی آزمائشوں کو خود پر اتنا حاوی کر لیا کہ ہمیں اس کا حل نظر آنا ہی بند ہو گیا جو کہ چودہ سو سال پہلے ہی ہمیں دے دیا گیا!

ہم نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اپنی مطلب کی بات اخذ کی اور باقی پر مٹی جمنے دی گر بس یاد رکھا تو وظائف کے لیے کہ جی رشتہ نہیں ہو رہا تو فلاں سورہ کا وظیفہ کر لیں ساس نندیں اچھی نہیں ہیں تو فلاں سورہ کا وظیفہ کر لیں خوبصورت بچے چاہیئے تو سورہ یوسف پڑھ لیں! کیا واقعی؟ سورہ یوسف ہمیں معاملات کی بہتری کے لیے نہیں دی گئی تھی؟ سوائے ازکار اور ان سورتوں کے جنکے متعلق احادیث ملتی ہیں نا رسول اللہ ﷺ نے کسی وظائف کا صحابیات کو حکم دیا نا صحابیات نے کیے۔
قرآن کو مکمل اپنائیں اور ترجمہ و تفسیر کے ساتھ استاد کی حاضری میں مکمل پڑھیں!

ہمارا آئیڈیل کسے ہونا چاہیے؟

عمیمہ عبد الرشید

وہ بیویاں جو اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لیے حرام کام کرتی ہیں ان کا بت ان کے شوہر ہیں۔ وہ شوہر جو اپنی بیویوں کی خواہشات پوری کرنے کے لیے حرام کماتے ہیں ان کا بت انکی بیوی ہے۔ وہ مرد جو اپنی ماں کے جھوٹ کو بغیر تحقیق کے سچ مان کر اپنی بیوی بچوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں ان کا بت ان کی مائیں ہیں اور وہ بیٹوں کی مائیں جن کے پیدا ہونے پر ہی وہ ایسے محسوس کرتی ہیں جیسے یہ بیٹا ان کو اچھال اچھال کر آسمان پر پہنچا دے گا، ہم خانہ کعبہ کے گرد بھی کیا طواف کرتے ہوں گے جو وہ ان کے گرد کرتی ہیں، ان کی شادیوں کے بعد بھی ان کی بیویوں کے سامنے عجیب احمقانہ سوالات کر رہی ہوتی ہیں کہ تمہیں میں عزیز ہوں یا یہ "ان کا بت انکے بیٹے ہیں" وہ لوگ جو پیروں مرشدوں کی درگاہوں پر جا کر سجدے رہے ہوتے ہیں ان کے لیے انکے بت یہی لوگ ہیں اور ابھی بھی آپ کہتی ہیں کہ آپ بتوں کی عبادت نہیں کرتی؟

ہمیں تو اللہ کو آئیڈیل بنانا تھا نا؟ ہمیں تو اللہ جی سے امیدیں جوڑنی تھی یہ ہم کہاں لگ گئے؟ یاد رکھیں وہ اولادیں جن کے کھانا نا کھانے پر ہی آپ رو رو کر محلہ اکٹھا کر لیتی ہیں وہ شوہر جنکے کندھوں پر رکھ کر آپ بندوق چلاتی ہیں کہ "یہ ہمیں پردہ نہیں کرنے دیتا" وہ پیر و مرشد جن کو آپ نے ولی بنا رکھا ہے اپنا جن کو سجدے تک کر رہی ہوتی ہیں مشکل کشا جیسے القاب دے رہی ہوتی ہیں وہ بروزِ حشر آپ کے ذرا برابر کام نا آئیں گے آپ چینختی رہ جائیں گی اک بار بھی آپ کی پکار پر ہاں تک نہیں کہیں گے اور پھر اللہ آپ کے اور ان کے درمیان نفرت کا پردہ ڈال دیں گے وہ اولاد وہ شوہر جن کو ساری زندگی جس طرح ابھی آپ ان کی اندھی تقلید کر رہی ہیں نا بلکل ویسے ہی ان کے عکس کی کرتی ہوئی جہنم میں جا گریں گی۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھیں اور پوچھیں خود سے کہ آپ کی زندگی کا محور کسے ہونا چاہیے تھا اور کون ہے؟

حصہ شاعری

فرض کرو

عشرت فاطمہ

فرض کرو تم چھت پہ بیٹھی
دھوپ میں بال سکھاتی ہو
فرض کرو کہ دھوپ کا اس دن
کچھ کچھ رنگ گلابی ہو
فرض کرو یوں بیٹھے بیٹھے
گہری سوچ میں کھو جاؤ
بال سکھانے بھول کے سر
گھٹنوں پہ رکھ کے سو جاؤ
فرض کرو اس نیند میں تم نے
دیکھا ایسا سپنا ہو
بے کل ہو کے من یہ چاہے
کاش یہ سپنا اپنا ہو
فرض کرو کمرے میں بیٹھی
تم افسانہ لکھتی ہو
افسانے کے ہیرو کو
شاعر، دیوانہ لکھتی ہو
افسانے کی ہیروئن بھی
افسانے ہی لکھتی ہو
فرض کرو وہ دیکھنے میں بھی
نرمل، کومل لگتی ہو
فرض کرو افسانے کا عنوان تمہارا سپنا ہو
اور افسانے کا انجام نہ طے کر پاؤ کیسا ہو

فرض کرو تم خط لکھنے کی
خواہش من میں پاتی ہو
لکھنے سے پہلے تم خط پر
خوشبو خوب لگاتی ہو
فرض کرو القاب پہ آ کے
ہاتھ تمہارا رک جائے
آنکھ تمہاری دھک دھک کرتے
دل کی جانب جھک جائے
فرض کرو اک نام لکھو
لکھ کر کاٹو اور پھر لکھو
فرض کرو وہ نام تمہارے
اپنے اس شاعر کا ہو
فرض کرو ہر ایک مفروضہ
گویا ایک حقیقت ہو
فرض کرو سپنے، افسانے، خط کا نام محبت ہو
فرض کرو یہ ساری باتیں
فرض نہ کرنی پڑتی ہوں
فرض کرو من کے آنگن میں
آشاہیں ہی بستی ہوں
فرض کرو ہم دونوں کا دل
بس ایک ساتھ دھڑکتا ہو
فرض کرو پر کیوں تم آخر فرض کرو

راز دل کا عیاں نہ ہو جائے
"بے زبانی زباں نہ ہو جائے"

روح میں درد کا دھواں پھیلا
لب پہ کوئی فغاں نہ ہو جائے

دفن سینے میں ہر تمنا ہے
کوئی خواہش جواں نہ ہو جائے

رفتہ رفتہ ہی بڑھتا جاتا ہے
درد یہ بیکراں نہ ہو جائے

زندگی بحرِ غم میں ڈوب گئی
زندگی اک دھواں نہ ہو جائے

فاش کر دے تو رازِ دردِ جگر
وہ کہیں بد گماں نہ ہو جائے

زندگی ہے کہ پیاس کا صحرا
پیاس یہ جاوداں نہ ہو جائے

بے رخی راس آ گئی اب تو
وہ کہیں مہرباں نہ ہو جائے

کتنے معیارِ زندگی بدلے
یہ زمیں آسماں نہ ہو جائے

غمِ فلسطین

اقراء شریف

کتنے ظلم دیکھے تو نے!
کتنے گھر اُجڑتے دیکھے تو نے!
کتنے لوگ بے آسرا کرتا جا رہا
ہے
تو کتنے لوگ تڑپاتا جا رہا ہے!
تُو اب تو بس کر دے!
اور چلا جا!
لے جا! فلسطین کے غموں کو
اب اپنے سنگ!
لے جا غم اب لے جا!
اے نومبر! تو ہی بتا کیا قصور تھا
اُن بے گناہوں کا؟
کہ خون میں بہا دیا اپنا بچپن،
اپنی جوانی!
باقی سب تماشائی بنے بیٹھے تھے!

ہم انجان تھے کربلا سے!
لیکن آج پھر دہرایا جا رہا ہے
اسے!
کیا معلوم تھا یہ سب ہونا
ہے!
جا اے دسمبر! لے جا سب
غموں کو!
کہ بس! ہمت ختم ہوئی!
اے دسمبر! لے جا سارے
دکھ کہ بچے بِلک رہے ہیں!
اے خدا! اب کوئی امید کی
کرن دکھا؟
اور اے دسمبر! تو چلا جا!
اس امید سے کہ اب غم نہ
آئیں گے دوبارہ!

ٹھنڈی محبت

ڈاکٹر نایاب ہاشمی

سرد برفیلے موسم میں
دل جب اداس ہوتا ہے
نرم گرم کمبل میں
چھپنے کو دل کرتا ہے
تیز ہوا بھی چلتی ہے
اوس اس میں پڑتی ہے
کبھی جب ہو جائے بارش
ٹھنڈ بھی تیز ہوتی ہے
تیز برف باری میں
ہوا جب تلخ ہوتی ہے
پھر سرد برفانی موسم میں
اداسی دل کی بڑھتی ہے
سکوں کی چاہ میں ہم پھر
نرم و گرم کمبل کو
اتار کے دور کرتے ہیں
نیم گرم پانی سے
پاک خود کو کرتے ہیں
سجدہ ریز ہو کر پھر
دل کا سکون پاتے ہیں
سرد برفیلے موسم میں
فجر جب ہم پڑھتے ہیں

ڈاکٹر نایاب ہاشمی

کبھی ہم خوبصورت تھے
جیسے ادھ کھلی کلیوں کی ڈال
جیسے شبنم کے قطرے گلابوں پہ نثار
جیسے شفاف کرنیں ارض پہ پھیلی ہوئی
جیسے بادِ صباء اٹکھیلیاں کرتی ہوئی

لگامیں وقت کی ہاتھ میں لگتی تھیں تب
ان کہے لفظوں کو موتیوں میں پروتے تھے
قرطاس پہ لکھ کر شہد ان میں سموتے تھے
پرندوں کے پروں پر نظم لکھ کر ان کو گاتے تھے
دور جھیلوں میں بسنے والے لوگوں کو سناتے تھے

خوابوں کے جزیرے میں بسیرا تب ہمارا تھا
چمکتے جگنو رنگیں تتلیاں آواز دیتیں تھیں
ہم سے دور تھیں لیکن دل کے پاس رہتیں تھیں
چاہتوں کے جھولوں میں ہم ڈولتے پھرتے تھے
روشن کرنیں نئے دن کی آنگن میں اترتیں تھیں

وقت کی تمازت نے دھندلا دیا سب کچھ
بے فکر قہقہوں میں جب ہم یہ کہتے تھے
کہکشاں بھرے رستے ہمیں آواز دیتے ہیں
پھولوں بھری بستی میں ہم کو اڑ کے جانا ہے
امی! ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو

خنک نم ہوائیں ہمارے دل کو لبھاتی ہے
جھرنوں کی گنگناہٹ ہم کو رجھاتی ہے
نئے دن کی مسافت کھڑکی سے بلاتی ہے
ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو

وہ حسیں خواب منوں مٹی تلے ہیں اب

غزل

آپا منزہ جاوید

کیوں محبت میں خسارے ہی ہوا کرتے ہیں
کیوں جفا کار ہمارے ہی ہوا کرتے ہیں

ساتھ چلنے کا تعلق ہے، چلو مان لیا
پر کنارے تو کنارے ہی ہوا کرتے ہیں

کیا ضروری ہے کہ اک چاند کے پیچھے بھاگیں
جب اماوس میں ستارے ہی ہوا کرتے ہیں

کیا کسی اور سہارے کی تمنا کیجے
دل کے جذبے بھی سہارے ہی ہوا کرتے ہیں

اہلِ دل، دل کے سخی ہیں منزہؔ
سب نے کچھ خواب تو وارے ہی ہوا کرتے ہیں

بلال فانی

بات بنتی نظر نہیں آتی
جستجو با ثمر نہیں آتی

مار دیتی یہ زندگی مجھ کو
اے اجل تو اگر نہیں آتی

کیوں اداسی ہے میرے آنگن میں
کیوں خوشی میرے گھر نہیں آتی

دل میں جھانکا تو یہ کھلا عقدہ
روشنی در بدر نہیں آتی

کون ہے اس قدر خیالوں میں
"نیند کیوں رات بھر نہیں آتی"

گھٹ گیا دم تمہاری فرقت میں
سانس لیتا ہوں پر نہیں آتی

تیری صورت ہے چار سو لیکن
ہائے کیونکر نظر نہیں آتی

یہ تمنا ہے موت آ جائے
یہ تمنا بھی بر نہیں آتی

چپ ہی بہتر ہے فانیِ ناداں
بات کرنی اگر نہیں آتی

نعت

محمد احسان ثانی

جلتے ہوئے شعلوں کو بجھاتے ہیں محمدﷺ
ہر ایک کو دوزخ سے بچاتے ہیں محمدﷺ

منہ جس کو لگائے نہ کوئی عام سمجھ کر
اس شخص کو سینے سے لگاتے ہیں محمدﷺ

ہو جس کو بھی طیبہ کی فضاؤں سے محبت
اس کو درِ اقدس پہ بلاتے ہیں محمدﷺ

کیونکر نہ کہوں خود کو میں شیدائے مدینہ
گرتا ہوں تو پھر مجھ کو اٹھاتے ہیں محمدﷺ

ثانی جو مہذب ہے تو فیضانِ نبیﷺ ہے
آداب، ادب، دین سکھاتے ہیں محمدﷺ

نظر معتبر ہو گئی

نمرہ رانی

وہ ہم سفر تھا
اتنی سی وجہ تھی جدائی کی
وہ چاہتی تھی کہ اک لمبے سفر پر
گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر
وہ ہم سفر بن کر چلے
لیکن
میں چاہتا تھا کہ
موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر
وہ مجھے پکڑ کر بیٹھے اور میں
دیوانوں کی طرح آوارہ سڑکوں پر
گنگناتے ہوئے اس خوف میں
خود پر اس کی گرفت کو مضبوط ہوتا
دیکھوں
وہ چاہتی تھی کہ
کسی مہنگے ہوٹل پر جا کر
وہ میری آنکھوں میں اپنی محبت دیکھے
میں چاہتا تھا کہیں گمنام راستوں پر
میں اس کا ہاتھ تھام کر پیدل چلوں
اس طرح شام ہو جائے
پھر راستے میں اک بہتا ہوا دریا
کسی ٹوٹے تارے کا عکس لیے
ہمارا راستہ روک لے کی
یہاں بیٹھ کر میں
اس میں اس کی آنکھوں پر
ناول کے اقتباس اور
افسانے لکھوں
ان لمحوں میں اس کے چہرے کو
اپنی داستانوں میں قید کر لوں
وہ چاہتی تھی کہ
اک بڑے سے محل میں
وہ اپنی بھیگی زلفیں لہرائے اور
میں محل کے دوسرے کونے سے
اسے دیکھ کر کوئی شعر لکھوں
لیکن
میں چاہتا تھا کہ اک چھوٹا سا گھر ہو
جہاں چاروں طرف محبت پھیلی ہو
کمرے کی کھڑکی سے آنے والی ہوائیں
صرف اور صرف محبت کا پیغام لائیں

جب وہ بھیگتی زلفیں لہرائے
میں اسے قریب سے دیکھوں
جتنا کوئی مشرق کے اس مقام پر
ٹھہر کر طلوع ہوتا سورج دیکھے
وہ چاہتی تھی کہ
میں جب اسے لینے جاؤں تو
گاڑیوں کی لمبی قطار ہو
گھر کی چھتوں سے ڈالر لٹائے جائیں
اس کے گھر سے میرے گھر تک
گلاب کے پھول برسائے جائیں
لیکن
میں چاہتا تھا کہ
میں گھٹنوں کے بل چل کر
اک ڈنڈی والا گلاب تھام کر
حق مہر میں اپنی زندگی گروی رکھ کر
اسے اپنے سنگ لے چلوں
بس اتنی سی وجہ تھی جدائی کی
وہ محبت چیزوں میں تلاش کرتی رہی
مگر
میں اندر چھپائے بیٹھا تھا
وہ ہم سفر تھا؟

حمد
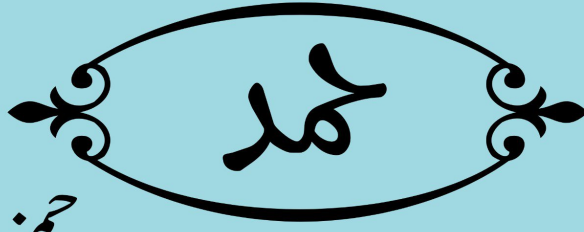
حمزہ ارشد

میرا خدا کا مالک، میرا خدا ہے رازق
خلقت کو رزق وافر کرتا عطا ہے رازق

بندے ہیں ہم اسی کے، ہیں مانگتے اسی سے
سارے جہاں کا بس وہ ہی آسرا ہے رازق

تیرے ہی در پہ ہم تو سر کو جھکا رہے ہیں
تجھ کو کہا تھا رازق، تجھ کو کہا ہے رازق

تسبیح بس یہی میں کرتا ہوں دل لگا کر
وہ ہی خدا ہے افضل، سب سے جدا ہے رازق

ساری خدائی تیرے در پر جھکائے سر ہے
ساری خدائی کا بس تو برملا ہے رازق

میرے گمان میں ہے تیرا گماں خدایا
ہر اک زباں سے نکلا تجھ کو سنا ہے رازق

حمزہؔ ہے در پہ آیا تیری یہ بات سن کر
میں بانٹتا ہوں لے لو دیتا صدا ہے رازق

نیا سال

تنہاؔ لائلپوری

آئینہ عکس دکھاتا ہے مگر اب بھی وہی
دل وہی، صبح وہی، شام وہی، شب بھی وہی
دکھن، اُتّر وہی، پچّھم وہی، پُورب بھی وہی
چاند، سورج وہی، انجم وہی، کوکب بھی وہی

سال بدلا ہے مگر حال نہیں بدلا ہے

اب بھی بازار میں پہلے کی طرح رونق ہے
اب بھی انسان ہنرمند ہے، مستغرق ہے
اب بھی ہے گردشِ ایّام کہ جو برحق ہے
اب کوئی شخص نہ مانے تو بڑا احمق ہے

سال بدلا ہے مگر حال نہیں بدلا ہے

اب بھی آتی ہے خزاں، اب بھی بہار آتی ہے
اب بھی بلبل کی گلستاں میں پکار آتی ہے
چرخ میں اب بھی پرندوں کی قطار آتی ہے
دشت سے اب بھی ہوا زار و نزار آتی ہے

سال بدلا ہے مگر حال نہیں بدلا ہے

کشتیاں تیرتی پھرتی ہیں کھڑے پانی میں
چپّو چلتے تو ہیں ملّاح کی نگرانی میں
چاند بھی گم ہے ابھی رات کی ویرانی میں
کون سا فرق پڑا جھیل کی تابانی میں

سال بدلا ہے مگر حال نہیں بدلا ہے

برف نے اب بھی ہمالہ کو لپیٹا ہوا ہے
بادلوں نے ابھی کے ٹو (K-2) کو سمیٹا ہوا ہے
اب بھی جہلم بڑے آرام سے لیٹا ہوا ہے
کون سا کوکھ سے چترال کی بیٹا ہوا ہے

سال بدلا ہے مگر حال نہیں بدلا ہے

اب بھی صحراؤں میں چلتے ہیں بگولے خونی
اب بھی ہیں باز، گِدھیں، شِکرے، ممولے خونی
اژدہے، ناگ ہیں بچھّو کئی، نیولے خونی
قصہ ہوتا ہے رقم کوئی تو ہو لے خونی

سال بدلا ہے مگر حال نہیں بدلا ہے

بستیاں اب بھی ہیں، ہیں گاؤں، سرائے اب بھی
ٹالیاں، بوڑ بھی، پیپل کے ہیں سائے اب بھی
لسّیاں، دودھ بھی، مکھن بھی، ہے چائے اب بھی
جیبھ کو ساگ، مکئی، ذائقہ بھائے اب بھی

سال بدلا ہے مگر حال نہیں بدلا ہے

مسجدیں اب بھی ہیں آباد، شوالے روشن
گھنٹیاں ویسی ہی گرجوں میں ہیں بجتی ٹن ٹن
وہی خطبات، تقاریر وہی ہیں بھاشن
اب بھی ہے دل کی زمیں دین و یقیں کا مسکن

سال بدلا ہے مگر حال نہیں بدلا ہے

بادہ خانوں میں شرابی ہیں ابھی تک مدہوش
جام ہیں ولولہ انگیز ابھی ساقی پُرجوش
اب بھی تھالوں میں ہیں بھونے ہوئے تیتر، خرگوش
تشنہ لب ہیں کئی موجود، کئی شربت نوش

سال بدلا ہے مگر حال نہیں بدلا ہے

محفلیں شعر و سخن کی ہیں ابھی تک آباد
لوٹتے ہیں شعراء خوب ابھی تحسین و داد
میں وہ شاعر جسے ہوتا نہیں شعر ایک بھی یاد
وقت کرتا ہوں بہت بیٹھ کے تنہا برباد

سال بدلا ہے مگر حال نہیں بدلا ہے